پی۔ایچ۔ڈی مقالہ
امام احمد رضا کی انشاء پردازی
کی خصوصیات
مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری
ALAHAZRAT NETWORK
اعلیٰحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

امام احمد رضا کی انشاء پردازی

کی خصوصیات

(پی۔ایچ۔ڈی مقالہ)

مصنف: مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری

ناشر

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

۲۵۔جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، کراچی، پاکستان

عرض ناشر

دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، دین کے مجدد، عشقِ رسالت کے گنج گراں مایہ، حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ انہوں نے اپنی علمی و دینی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جو ذہنی و فکری انقلاب پیدا کیا اس کی شہادت ہماری پوری صدی دے رہی ہے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ کی خدمات بے شمار ہیں۔ جس فن اور جس موضوع پر قلم اٹھایا، اپنی انفرادیت کا سکہ ثبت فرمادیا۔ علمِ قرآن، علمِ حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، تفسیر، منطق، فلسفہ، ہیئت، ریاضی، ہندسہ، تصوف، سلوک، تاریخ، لغت، ادب وغیرہ کے علاوہ مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ فن شعر و سخن میں قدرت نے حضرت امام احمد رضا کو ید طولیٰ بخشا تھا۔ شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی اور نعت گوئی کی ایک حدِّ فاصل قائم کی۔ آپ نے ستر سے زیادہ علوم و فنون پر ایک ہزار سے زائد کتب و رسائل تصنیف فرمائے۔ آپ کے سینے میں قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت ودیعت کی گئی تھی۔ آپ کے ذریعہ قرآن پاک کا کیا گیا ترجمہ موسوم بہ **"کنزالایمان"** صرف ترجمہ نہیں بلکہ اردو زبان میں قرآنِ پاک کی صحیح ترجمانی ہے۔ جس میں روحِ قرآنی کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ لفظ اور محاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ علم حدیث اور اصول حدیث کے علاوہ علم فقہ میں جو تبحر و کمال آپ کو حاصل تھا اس کا اعتراف آپ کے مخالفین بھی کرتے ہیں۔ فقہ میں آپ کی تصانیف **"فتاوی رضویہ"** اپنا جواب آپ ہے جو جدید طرز پر شائع شدہ ۳۰ جلدوں پر مشتمل ہے اور رضا فاؤنڈیشن لاہور سے طبع ہو چکی ہے۔ آپ کے فتاویٰ میں جو نظم و ضبط اور جامعیت ہے اس سے آپ کے علم کی گہرائی و گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی طرزِ تحریر کا انفرادی و ادبی رنگ مطالعے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کے علاوہ فاضل بریلوی کے مکتوبات بھی بے شمار حقائق و معارف اور مسائل دینیہ سے بھرپور ہیں۔ اسلوبِ نگارش کی انفرادیت اور ظاہری و معنوی خوبیوں کا رنگ یہاں بھی ہر سطر پر چڑھا ہوا ہے۔ امام احمد رضا کے علوم و معارف کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملفوظات کا بھی ہے جو ان کے ارشادات اور کلمات طیبات پر مشتمل ہے جس میں حکایات بھی ہیں اور روایات بھی، ضیاءِ قرآن بھی ہے اور بہارِ حدیث و شریعت بھی، معرفت کی جھلک بھی ہے اور حقیقت کی خاموش بیانی بھی۔ ان کی ادبی حیثیت بھی مسلم ہے۔ ان کے مطالعہ سے جہاں ایک طرف نیک اعمال کا جذبہ اور خواہش پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف اسلوبِ نگارش اتنا پرکشش، خوبصورت اور ادبی محاسن سے آراستہ ہے کہ اسے اردو نثر کے بیش بہا خزانے میں ایک اہم اضافہ کہا جاسکتا ہے، اس سے قاری کے ادبی ذوق کو مہمیز ملتی ہے اور وہ حیران ہوتا ہے کہ اب تک اردو انشاء پردازی کے اس منفرد نمونے کو اردو ادب کے سرمایہ میں جائز مقام کیوں نہ مل سکا۔ اس کے علاوہ قوتِ استدلال، بلندیٔ فکر اور مواد کے اعتبار سے بھی

آپ کا قلم اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔

یوں تو امام احمد رضا خاں کی تاریخ ساز شخصیت اور کارناموں پر متعدد مقالے اور کتابیں لکھی جا چکیں ہیں اور متعدد عالمی جامعات میں ۲۲ سے زائد پی۔ایچ۔ڈی اور ۸/ایم۔فل کے مقالات لکھے جا چکے ہیں۔لیکن ان کی انشاء پردازی کے جو ادبی و فنی نکات ہیں جن سے احمد رضا خاں کی اسلوبِ نگارش کی انفرادیت اجاگر ہوتی ہے، کا تفصیلی احاطہ نہیں کیا گیا۔اگر اس جہت سے ان کی نثر نگاری کا مطالعہ کیا جائے تو اردو انشاء پردازوں مثلاً سر سید احمد خان، مولوی حسین آزاد، علامہ شبلی نعمانی، علامہ عبدالماجد دریا آبادی، جناب ابوالکلام آزاد، جناب ابوالاعلیٰ مودودی جیسے معتبر اور جید انشاء پردازوں کے ساتھ امام احمد رضا خاں کا نام بھی شامل کیا جائے گا۔مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری صاحب نے اپنی پی۔ایچ۔ڈی کے لئے ریسرچ کا موضوع **''احمد رضا خاں کی انشاء پردازی۔ایک تفصیلی مطالعہ''** منتخب کیا تا کہ امام احمد رضا خاں کی نثری تحریروں میں ان کی منفرد انشاء پردازی اور فنی اوصاف اجاگر کیا جا سکے۔ڈاکٹر غلام غوث صاحب نے پروفیسر ڈاکٹر منظر حسین، صدر شعبہ اردو، ورکرس کالج، جمشید پور (جھارکھنڈ، ہند) کی نگرانی میں پی۔ایچ۔ڈی تھیسس کا کام شروع کیا۔۱۰ جولائی ۲۰۰۰ء کو رانچی یونیورسٹی، رانچی جھارکھنڈ میں رجسٹریشن ہوا، ۲۷/اگست ۲۰۰۲ء کو مقالہ جمع کرایا گیا۔آخری وائیوا ۲۴/فروری ۲۰۰۳ء کو ہوا۔۱۱/مارچ ۲۰۰۳ء کو کامیابی اور تھیسس کی منظوری کا اعلان ہوا۔ہم جناب مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری صاحب زید مجدہٗ کی اس تحقیقی کاوش کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں کہ انہوں نے زیرِ نظر موضوع کو منتخب کر کے ''رضویات'' میں ایک اہم باب کا اضافہ کیا ہے اور امام احمد رضا قدس سرہٗ کی انشاء پردازی کی خصوصیات پر بحث کرتے ہوئے اس کے پسِ منظر، پیش منظر اور اردو ادب کی ارتقاء، روایات اور ترقی پذیر اسلوبِ انشاء پردازی کی مختلف جہتوں پر بڑی عرق ریزی، محنت اور تحقیق سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور اردو ادب کے ایک عظیم مگر مظلوم اور نسیاً منسیاً نثر نگار اور شاعر ادیب کی خدمات کو منظرِ عام پر لا کر گلستانِ اردو میں ایک گرانقدر کیاری کا اضافہ کیا ہے جس کے لئے وہ تمام اہلِ علم و قلم کی طرف سے بالعموم اور رضویات پر کام کرنے والوں کی طرف سے بالخصوص شکریہ کے مستحق ہیں اسی طرح وہ حضرات بھی جنہوں نے مصنف ممدوح کی اس مقالہ کی تیاری میں معاونت اور مدد فرمائی خاص طور پر ان کے نگران جناب پروفیسر ڈاکٹر منظر حسین صاحب، صدر شعبۂ اردو، ورکرس کالج، جمشید پور، جھارکھنڈ، انڈیا، محترمہ پروفیسر رفعت آراء، صدر شعبۂ اردو، رانچی یونیورسٹی، جھارکھنڈ، محترم پروفیسر فاروق احمد صدیقی، صدر، شعبۂ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، انڈیا اور محترم پروفیسر ڈاکٹر خورشید حسن صاحب، سابق پرو وائس چانسلر رانچی یونیورسٹی و محترم پروفیسر ڈاکٹر اختر یوسف صاحب، صدر شعبۂ اردو، رانچی یونیورسٹی بھی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

یہ تحقیقی مقالہ درج ذیل ابواب پر مبنی ہے:

پہلا باب امام احمد رضا خاں کا ایک تفصیلی سوانحی خاکہ

مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی اپنی امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس ۲۰۰۷ء کے موقعہ پر اہل علم ودانش اور اردو زبان وادب سے دلچسپی رکھنے والے احباب کے ذوقِ مطالعہ کی تسکین کے لئے اس ضخیم مقالہ کا صرف پانچواں باب ''امام احمد رضا خاں کی انشاء پردازی کی خصوصیات'' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع کررہا ہے۔وسائل نے اگر اجازت دی تو ان شاء اللہ آئندہ کبھی پورا پی۔ایچ۔ڈی مقالہ کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا۔

ہم اس مقالہ کی اشاعت کے سلسلہ میں جناب مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری زید مجدہٗ کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔اللہ تعالیٰ ان کے اس مقالہ کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور ہماری اس کاوش کو اہلِ علم میں پذیرائی بخشے۔آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

سید وجاہت رسول قادری

صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی

ڈاکٹر غلام غوث قادری ....ایک تعارف

آپ کی ولادت 10/فروری 1971ء کو موضع مڑواں، پوسٹ راجہ پٹی کوٹی، ضلع گوپال گنج بہار (ہند) میں ہوئی۔

نام ونسب:

آپ کا اصل نام غوث علی ہے بعد میں ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد افتخار صاحب رحمتہ اللہ علیہ سابق مدرس دار العلوم برکاتیہ موئید الاسلام محلہ شیر پور قصبہ مگہر ضلع بستی (یوپی، ہند) کے ایما پر غلام غوث ہوا اور شرف بیعت کے بعد نسبت قادری کا اضافہ ہوا اس طرح غلام غوث قادری کے نام سے شہرت ملی۔

والد ماجد کا اسم گرامی شیخ محمد، والدہ ماجدہ کا اسم شریف علیمہ خاتون اور جدامجد کا نام مبارک محمد اسحاق (مرحوم) ہے۔

تعلیمی سلسلہ:

ابتداءً قاعدہ بغدادی کا آغاز اپنے ہی گاؤں کی مسجد نوری مسجد میں ہوا۔ درسِ نظامیہ وعالیہ کی تعلیم بہار کے ایک عظیم ادارہ جامعہ شمسیہ تیغیہ انوار العلوم، بڑہریا، ضلع سیوان میں حاصل کی جس کے مہتمم وصدر المدرسین ایک بڑے عالم دین اور حضور حافظ ملت محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید حضرت علامہ، مولانا عبد العزیز خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی ہیں۔ بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ (بہار، ہند) سے ملحق ہونے کی وجہ سے مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ (بہار ہند) کے تحت ہونے والے امتحانات میں بھی شامل ہوتے رہے حتیٰ کہ درجۂ اوسطانیہ تا فاضل کی ڈگریاں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ سے حاصل کی جو کہ عصری تعلیمی معیار کے اعتبار سے آٹھویں کلاس سے لے کر ایم۔ اے تک کی ڈگریوں کے مساوی ہیں۔ اس کے بعد حسب ترتیب ہندوستان کی عظیم درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ (یوپی، ہند) سے درس نظامیہ کی تعلیم حاصل کی۔ بعدہٗ آپ حضرت بحر العلوم قبلہ مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں حصول تعلیم کی غرض سے شمس العلوم گھوسی چلے گئے اور وہیں ۱۹۸۸ء میں دستارِ فضیلت وسندِ فراغتِ فضیلت سے نوازے گئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ رہبرِ دارین خواص پور، ضلع سیوان (بہار، ہند) کے صدر المدرسین مقرر ہوئے۔ چند مہینے تک اس مدرسے میں خدمت انجام دینے کے بعد مستعفی ہو کر متحدہ صوبہ بہار کے ایک بڑے شہر رانچی (موجودہ صوبہ جھارکھنڈ کی راجدھانی) چلے آئے اور عالمانہ تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے تجارت کا آغاز کیا مگر مزید حصول تعلیم کا ذوق بیدار تھا اور محسنِ قوم وملت قاطع بدعت سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہٗ پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا کام کرنے کا حوصلہ بلند تھا، اس کے لئے براہ راست ایم۔ اے کی ڈگری کے حصول کا عزم کیا۔ تجارت سے باقی ماندہ اوقات میں ایم۔ اے کی تیاری شروع کردی۔ بالآخر رانچی یونیورسٹی سے امتحان دینے کی اجازت مل گئی اور ۹۷۔۹۸ء سیشن میں پرائیویٹ سے ایم۔ اے

اردو کے امتحان دیا اور الحمدللہ اول درجہ سے پاس ہوئے۔

اب پی۔ایچ۔ڈی رجسٹریشن کے لئے کوشاں ہوئے اس سلسلے میں پروفیسر جناب ڈاکٹر محمد خورشید حسن صاحب (پروفیسر شعبۂ نفسیات وسابق پرووائس چانسلر رانچی یونیورسٹی) کا اہم تعاون رہا اوران کی کرم فرمائی نے بہت تقویت پہنچائی۔انہیں کے ایما پر پروفیسر ڈاکٹر منظر حسین صاحب نگرانی کے لئے آمادہ ہوئے۔موضوع کا انتخاب بھی ایک اہم مسئلہ تھا۔مسعود ملت حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ کراچی پاکستان اور پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی (موجودہ صدر شعبۂ اردو، بی۔آر امبیڈکر یونیورسٹی، مظفر پور (بہار، ہند) کے حکم سے مقالے کا موضوع ''امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی انشاء پردازی......ایک تفصیلی مطالعہ'' منتخب کیا۔

الحمدللہ پی۔ایچ۔ڈی رجسٹریشن کا کام ایم۔اے کے تناظر میں نہایت آسانی سے ہوا کیونکہ عزمِ مصمم کے ساتھ ساتھ فیضانِ اعلیٰ حضرت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی جاری رہا۔اس وقت صدر شعبہ اردو، رانچی یونیورسٹی، رانچی، جھارکھنڈ (ہند) جناب پروفیسر ڈاکٹر اختر یوسف صاحب ہوچکے تھے۔جو نہایت خلیق، سلیم الطبع اوراپنے کام میں چست ودرست ثابت ہوئے۔ڈاکٹر غلام غوث قادری صاحب سے ملاقات کے بعد انہیں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے والہانہ محبت ہوگئی۔انہیں کے توسل سے رانچی یونیورسٹی شعبہ اردو میں اعلیٰ حضرت کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' حصۂ نظم اور حضرت مولانا سید ریاست علی قادری (علیہ الرحمۃ)، بانی وصدر اوّل ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (پاکستان) کی کتاب ''امام احمد رضا کے نثری شہ پارے'' حصۂ نثر میں اور معاون کتاب کی حیثیت سے حضرت مولانا وارث جمال قادری، بمبئی کی ''امامِ شعروادب'' داخل نصاب ممکن ہوسکا۔اس کے علاوہ موصوف کے توسل سے ہی تقریباً پچاس ہزار ۵۰۰۰۰ روپئے کی مالیت پر مشتمل تصنیفات اہلسنّت بشمول فتاویٰ رضویہ ودیگر رسائلِ رضویہ رانچی یونیورسٹی شعبۂ اردو کی لائبریری کو مہیا کی جاسکی۔اس سے قبل اس لائبریری میں نام کے لئے بھی مسلک اہلسنّت سے وابستہ حضرات کی ایک کتاب بھی موجود نہیں تھی۔مولیٰ تبارک وتعالیٰ پروفیسر صاحب کی حیات دراز فرمائے اورتادیران کا سایہ قائم رکھے آمین۔بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

رانچی یونیورسٹی میں پی۔ایچ۔ڈی رجسٹریشن کے لئے ابتدائی مرحلے کا آغاز ۱۰ جولائی ۲۰۰۰ کو Pre Registration Submission Examination سے ہوا۔اس وقت رانچی یونیورسٹی (جھارکھنڈ، ہند) کے صدر شعبہ اردو پروفیسر ڈاکٹر اختر یوسف صاحب تھے۔

رجسٹریشن کے ۲ سال پورے ہوتے ہی ۲۷/اگست ۲۰۰۲ء کو صدر شعبۂ اردو کے دفتر میں مقالہ جمع کرادیا گیا جس میں شعبۂ اردو کے علاوہ بیشتر شعبۂ کے اساتذہ نے شرکت فرمائی۔اس وقت صدر شعبہ محترمہ پروفیسر رفعت آرا تھیں۔ڈاکٹر غوث قادری صاحب کی فرستادہ نوٹس کے بموجب آخری Viva Voce Examination ۲۴/فروری ۲۰۰۳ء کو

انجام پایا جس میں مہمان ممتحن کی حیثیت سے پروفیسر ڈاکٹر محفوظ الحسن صاحب صدر شعبۂ اردو مگدھ یونیورسٹی گیا(بہار، ہند) نے شرکت فرمائی جب کہ معاونین ممتحنین کی حیثیت سے شعبۂ اردو رانچی یونیورسٹی کے جملہ اساتذہ و رانچی یونیورسٹی کے دیگر شعبہ جات کے اساتذہ نے شرکت فرمائی اس وقت صدر شعبۂ اردو رانچی یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر حسن امام صاحب تھے جب کہ از ابتدا تا انتہا نگرانی کا کام پروفیسر ڈاکٹر منظر حسین صاحب صدر شعبہ اردو، ورکرس کالج جمشید پور (جھارکھنڈ، ہند) نے انجام دیا۔

الحمدللہ ۱۱ر مارچ ۲۰۰۳ء کو مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری زید مجدہٗ کی کامیابی کا اعلان ہوا اور ڈگری تفویض ہوئی۔

ڈاکٹر مولانا غلام غوث قادری صاحب متعدد کتب کے مصنف ہیں اور مختلف متنوع عناوین پر مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں۔ جو ہندوستان کے سنی رسائل و جرائد میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ ڈاکٹر غلام غوث قادری صاحب نے مخلص، محرک اور فعال احباب کی ایک تنظیم ''دائرۂ احباب ملت'' کے نام سے بنائی ہے جس کا مقصد علمائے اہلِ سنت کے علمی اور تحقیقی لٹریچر کا فروغ اور اس کی نشر و اشاعت ہے۔ اب تک یہ تنظیم ڈاکٹر صاحب موصوف کی متعدد تصانیف طبع کرا کے مفت تقسیم کر چکی ہے۔

محترم مولانا ڈاکٹر غلام غوث قادری زید مجدہ سے رابطہ کا پتہ درج ذیل ہے:

پتہ رہائش گاہ : رضا کمپاؤنڈ، غوث نگر، ڈورنڈا رانچی، ضلع رانچی، جھارکھنڈ (ہند) 834002

فون نمبر : 0091-651-2547020 موبائل نمبر:0091-9431186756

پتہ دفتر : الحبیب انٹر پرائزیز، ہاتھی خانہ روڈ، پوسٹ ڈورنڈا، رانچی، ضلع رانچی

فون نمبر : 0091-651-2482975 جھارکھنڈ (ہند)834002

امام احمد رضا خان کی انشاء پردازی

انشاء پردازی کا مسئلہ ایسا نہیں جس پر کوئی فیصلہ کن اور دوٹوک بات کہی جاسکے آسان لفظوں میں یوں کہا جائے کہ یہ افکار وخیالات کے اظہار وابلاغ کا ایسا پیرایہ ہے جو دلنشیں بھی ہو اور منفرد بھی ۔ اسے انگریزی میں STYLE اور اردو میں طرز یا اسلوب بھی کہا جاتا ہے۔ فی الحقیقت اسے کسی متعین روش کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس میں ادیب کی شخصیت کے منفرد خط وخال ابھر کر سامنے آتے ہیں اردو میں اس کے لئے انداز کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کی تائید میر تقی میر کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

''ششم انداز است کہ با اختیار کردہ ایم وآں محیط ہمہ صنعتہا است، تجنیس، ترصیع، تشبیہ، ....(۱)

اسلوب کے متعلق ڈاکٹر بوفان(BUFFAN) کا کہنا ہے کہ:

(LE STYLE ESTL HOMMENEME)

یعنی ''اسلوب خود انسان ہے۔''۲

اس تعریف سے بوفان کی مراد یہ ہے کہ مصنف کی شخصیت اپنے نشیب وفراز اور رنگ وآہنگ کے ساتھ عبارت میں منتقل ہوجاتی ہے۔

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ الفاظ انسان کی شخصیت وسیرت ، میلان ورجحان اور ذہن وفکر کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ کسی خیال کی گہرائی میں اتر جایئے اور کہنے والے نے جن لفظوں میں اپنا مفہوم ادا کیا ہے ان کا تجزیہ وتحلیل جزئیات کی حد تک کیجئے تو معلوم ہوجائے گا کہ اس کی افتادِ طبع کیا ہے اور وہ کس ذہن وفکر کا مالک ہے۔

اس خیال کی تائید میں نثار احمد فاروقی رقم طراز ہیں:

''مثال میں غالب کے خطوط پڑھئے۔ کیا ان سے غالب کی سیرت کے خدوخال اجاگر نہیں ہوتے ؟ کیا اس کے اسلوب میں اس کی شوخی، شگفتگی، انسان دوستی، جودتِ طبع اور احساسِ لطیف جھلکتے اور چھلکتے نظر نہیں آتے۔''۳

جب ادیب کسی خیال کو غیروں تک پہنچانا چاہتا ہے تو وہ خیال کے ابلاغ پر زور دیتا ہے جس کے لئے وہ اسالیب میں جدت طرازی سے کام لیتا ہے، کہیں ایہام، کہیں وضاحت، کہیں اطناب، کہیں ایجاز، کہیں تشبیہ واستعارہ سے کام لیتا ہے۔ اور کسی کے یہاں خیال کی ترسیل ثانوی حیثیت میں دکھائی دیتی ہے۔ ایسے لوگ لفاظی کو اہمیت دیتے ہوئے نوع بہ نوع کی صنعتیں ایجاد کرتے ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر عبدالخالق رقم طراز ہیں:

''اور اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ پہلے ہی دور میں انشاء پردازی دو سمتوں کی جانب مائل بہ خرام ہے۔

انشاء پردازوں کی ایک جماعت وہ ہے جو اپنی انشاء میں ادبیت کو بنیادی اہمیت دیتی ہے، اسے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرنے کا ایک ذریعہ تصور کرتی ہے اور'' آرائشِ خمِ کاکل'' کو 'اندیشہ ہائے دور و دراز' پر ترجیح دیتی ہے یہی سبب ہے کہ ان کی نثر ادبیت سے مملو ہونے کے سبب ابلاغ و ترسیل کا حق ادا کرنے میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہوتی............

دوسری جماعت ان نثر نگاروں کی ہے جن کی نثر ادبی تو ہے لیکن ان کی نثر انشاء کی بھول بھلیوں میں گم نہیں ہوتی ۔یہاں ادبیت ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہے ان نثر نگاروں کے یہاں اظہار و اسلوب میں متانت و وضاحت اور صراحت و سلاست برتنے کا احساس ملتا ہے، بات دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے، یہی احساس ان کے یہاں جاری و ساری ہے۔ یہ'' آرائشِ خمِ کاکل'' کو اپنا حصہ دور کا جلوہ سمجھتے ہیں۔'زینتِ بام' کو دیکھتے اور محظوظ و متکیف ہوتے ہیں لیکن جان و دل نثار نہیں کرتے۔''۴

ڈاکٹر عبدالخالق نے انشاء پردازوں کی پہلی جماعت میں رجب علی بیگ سرور، مولانا حسین آزاد، پنڈت رتن ناتھ سرشار، عبدالغفور شہباز، سید ناصر الدین فراق، خواجہ حسن نظامی اور دوسری جماعت کی صف اول میں میر امن دہلوی اور بعد کے سرسید، حالی، شبلی، نذیر احمد اور مولوی عبدالحق کا نام لکھا ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کو دونوں جماعتوں کی درمیان کڑی تصور کرتے ہیں۔۵

انفرادیت انشاء کی روح ہے۔ ہر شخص کی ایک شخصیت بھی ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی صورت میں ندرت و انفرادیت بھی رکھتا ہے اور انشاء خواہ تحریر کا ہو یا تقریر کا، ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے انسان اپنی شخصیت کا اثر دوسروں پر ڈالتا ہے۔ یعنی جب وہ لکھتا ہے تو اس کا ذہن و مزاج الفاظ و عبارت کی صورت میں ابھر کر سامنے آتے ہیں اور اس کی شخصیت اپنا عمل شروع کر دیتی ہے۔

انشاء میں اظہار و ابلاغ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالخالق رقمطراز ہیں:

''اظہار و ابلاغ کی ضرورت شاعری میں بھی ہوتی ہے اور نثر میں بھی، لیکن عوام کے لئے اظہار و ابلاغ کا نہایت موزوں، سہل اور بہتر وسیلہ نثر ہے، نثر کی اہمیت و افادیت مسلّم ہے کیوں کہ عوام کے علاوہ فن کار بھی اپنے مافی الضمیر کا بہتر اور سہل اظہار نثر ہی میں کر سکتے ہیں............''۶

انشاء وہ آئینہ ہے جس میں فن اور فن کار دونوں اپنے تمام نشیب و فراز کے ساتھ منعکس ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ سید مستفیض الحسن رقم طراز ہیں:

''کسی ادیب کی ذہنی ترقی کا پتہ اس کی قوتِ بیانیہ اور اسلوب تحریر سے چلتا ہے۔ اگر وہ اپنے خیالات کا صحیح تجزیہ کر کے حسنِ بیان کے رشتے میں پروسکتا ہے، مبہم احساسات کو اپنی قوت ممیزہ سے جامد شکلوں میں پیش کرسکتا ہے، اس کے احساس کی نزاکت اس کے بیان سے منعکس ہے، تو وہ ایک کامیاب ادیب ہے ورنہ ابھی اسے کثرت سے مشق کی ضرورت ہے............'' ۷

واضح طور پر یہ کہنا بجا ہوگا کہ ادیب کی نگاہ مقصد سے نہ ہٹے۔ وہ اپنے مقصد کے افہام وتفہیم کے لئے مناسب اسلوب بیان اور Suggestive لفظوں کو حسین پیرائے میں پروئے، شگفتہ، سلیس اور چست فقرے ہوں اور جملوں کا ارتباط ختم نہ ہونے پائے تاکہ تخلیق کی روح اور جسم یکجا ہوجائیں اور قاری پر وہی اثر مرتب ہو جو انشاء پرداز (فنکار) کے ذہن وخیال پر مضمون کی ترتیب کے وقت ہوا تھا۔

اردو کے نشوونما میں جماعتِ صوفیاء کا حصہ ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اس جماعت نے دین ومذہب کی تبلیغ ،مسلک ومشرب کی اشاعت اور لوگوں کے رشد وہدایت کا ذریعہ اردو کو بنایا جس کی وجہ سے اردو کو خاصی تقویت ملی۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالحق رقم طراز ہیں:

''یہ بزرگ اس زبان کے ادیب وشاعر نہ تھے یا م ازم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی، نہ اس کا انہیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بہ عہد نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہوگئی۔'' ۸

گرچہ اردو کی ترویج واشاعت میں فورٹ ولیم کالج ودیگر تحریکیں اپنے فرائض انجام دیتے رہے تاہم ان تحریکات سے قطع نظر جماعتِ صوفیاء وعلماء اور مذہبی مبلغین ومصنفین کے ذریعہ بھی اردو کو فروغ ملا۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں سرسید احمد خان نے اس زبان کی طرف توجہ مبذول کی اور اردو میں ایک نئی طرح ڈالی، اردو کو صاف سلیس غیر مقفی اسلوب بیان سے آشنا کیا جس میں افکار وخیالات کا اظہار سادگی اور روانی کے ساتھ موجود ہے۔

ڈاکٹر عبدالمغنی رقم طراز ہیں:

''اردو کی علمی نثر کا آغاز صحیح معنی میں سرسید سے ہوتا ہے۔ ان کے مضامین نہ صرف اصلاحی وتہذیبی خیالات سے پر ہیں بلکہ اپنا ایک صاف سلیس اسلوبِ بیان بھی رکھتے ہیں۔'' ۹

سرسید کے ہم عصروں میں حالی کی انشاء پردازی ایک بہترین کاوش کا نتیجہ ہے۔

سید صفی مرتضیٰ رقم طراز ہیں:

''مولانا عبدالحق کے رائے ہے کہ حالؔی کی متعین اور سنجیدہ نثر اور تنقید نے اردو ادب میں بہت اضافہ کیا ہے۔'' ١٠

حالؔی کی انشاء پردازی میں سرسید کا اثر موجود ہے مگر بعض جگہوں پر غیر ضروری اور اَدق انگریزی اور عربی الفاظ کے استعمال سے ان کی نثر ثقیل ہو جاتی ہے۔

شبلی کی انشاء پردازی میں شگفتگی، نفاست و متانت پر داختگی اور بے ساختگی کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

شبلی کے اسلوب بیان نے اردو زبان کو حقیقی ادبی کمال عطا کیا۔ ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی ڈاکٹر سید عبداللہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''حق یہ ہے کہ شبلی کو اردو ادب میں جو بلند مقام حاصل ہے اس کی بنا علمی بھی ہے اور ادبی بھی مگر جو چیز ان کے لئے بقائے دوام کا باعث ہوگی وہ ان کا اسلوبِ بیان ہے۔'' ١١

ابوالکلام آزاد کی انشاء پردازی مختلف النوع ہے۔ ان کی مختلف نگارشات میں مختلف اسالیب دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کسی میں سادگی و بے ساختگی ہے تو کہیں شعلہ فشانی اور بعض میں انانیت، جب کہ ان کی ترجمان القران اور غبار خاطر میں سلاست ونفاست کا عمدہ نمونہ دیکھا جاسکتا ہے۔ اور یہی ان کا حقیقی اسلوب ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالمغنی رقمطراز ہیں:

''١٩٣١ء میں ''ترجمان القران'' کی اشاعت اردو کی علمی وادبی نثر کا ایک سنگِ میل ہے۔ یہ سرسید اور شبلی دونوں کے اسالیب کی زیادہ نکھری اور سنوری ہوئی شکل ہے.......... ترجمان کی نثر میں طرزِ آزاد کی تازگی وطرفگی اور عمدگی و شگفتگی ،ادبی اسلوب کی روایات میں ایک اضافہ وتوسیع اور ترقی ہے۔'' ١٢

نذیر احمد زبان و بیان کی تزئین پر زور دیتے ہوئے محاورات کا استعمال کرتے ہیں جس میں لفاظی کا احساس ہوتا ہے اور سنجیدگی کی کمی نظر آتی ہے جو کہ علمی نثر کے لئے اہم ہے۔

ڈاکٹر عبدالمغنی رقمطراز ہیں:

''دراصل نذیر احمد اصلاً اور واقعتہً ایک افسانہ نگار ہیں لہٰذا محاورۂ زبان کو ہی اسلوب بیان کی سب سے بڑی خوبی سمجھتے ہیں یہ طرز پرستی فصاحت وبلاغت دونوں کے فروغ میں مزاحم ہوتی ہے۔'' ١٣

اسی دور میں ایک عبقری شخصیت امام احمد رضا خان کی ہے جنہوں نے مختلف علوم وفنون پر ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل تصنیف کئے جو علمی، تحقیقی اور اعلیٰ ادبی معیار کے عظیم شاہکار ہیں۔

چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد رقمطراز ہیں:

''مولانا بریلوی کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خان کے تلمیذ رشید مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خان مرحوم نے اپنی

تحقیق کی بنیاد پر مولانا بریلوی (امام احمد رضا خان) کی تصنیف کی تعداد ۱۰۰۰ سے زیادہ لکھی ہیں۔'' ۱۴

امام احمد رضا خان کی بیشتر تصانیف اردو زبان میں ہیں جو علمی ادبی محاسن کے اعتبار سے عناصرِ خمسہ سے کسی قدر کم نہیں۔ مگر تاریخ اردو کے اکثر و بیشتر مؤرخین نے اس عظیم نابغۂ روزگار ہستی کو یکسر فراموش کر دیا۔

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا عبقری شخصیت کے مالک تھے............ان کی گونا گوں خوبیوں اور متنوع کارناموں کا احاطہ آسان نہیں، جہاں تک اردو ادب سے ان کے تعلق کا سوال ہے تو ظاہر ہے کہ ان کی رشحاتِ قلم کا بیشتر سرمایہ اردو ہی میں ہے۔ بحیثیت شاعر اور نثر نگار انہوں نے اردو ادب کو جو کچھ بخشا ہے اس سے کسی ناواقف ہی کو انکار ہو سکتا۔'' ۱۵

ڈاکٹر صابر سنبھلی رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا خان فاضل بریلوی اور سر سید احمد خان کے قلم کی جولانیوں کا عہد ایک ہی ہے لیکن مورخین ادب نے امام احمد رضا خان بریلوی کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ ۱۶

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کراچی رقم طراز ہیں:

''تاریخ و ادب کی کتابوں میں نہ جانے کیوں اس عظیم انسان کو نظر انداز کیا گیا ارباب علم و دانش حیران ہیں ۔'' ۱۷

ڈاکٹر امجد رضا خان رقم طراز ہیں:

''تجزیہ اور مشاہدہ کہتا ہے کہ یہ غفلت اتفاقی نہیں امتدادی اور تجرباتی ہے ورنہ بے اعتنائی کا یہ تسلسل کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتا۔ حادثات اتفاقی ہوں تو اس کے عمل عموماً ناپائیدار ہوں گے اور اس کا محرک ارادہ و عمل ہو تو صورت وہی ہوگی جو امام احمد رضا خان کے ساتھ پیدا کی گئی۔ ہم جنبہ داری کو حادثاتی کہہ کر زخمی احساس کو تسکین نہیں دے سکتے۔ یہ عجیب سانحہ ہے کہ اس دور کے تمام افراد کا ذکر تفصیل کے ساتھ تاریخی کتابوں میں کیا جاتا مگر امام احمد رضا کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔'' ۱۸

بہر حال اس دور کے علمی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی ماحول میں امام احمد رضا خان مختلف رنگ و آہنگ لئے نظر آتے ہیں ۔ ان کی انشاء پردازی میں متانت کے ساتھ ظرافت کی چاشنی بھی ہے، سنجیدگی کے ساتھ شگفتگی اور انضباط کے ساتھ انبساط بھی ہے۔ ہر موضوع کے تمام مضمرات و اشارات کی تشریح ایک ترتیب کے ساتھ منظم طور پر منطقی انداز سے پائی جاتی ہے کہ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ معانی و مفاہیم کی گرہیں کھلتی جاتی ہیں، پھر زورِ بیان ایسا کہ قاری کا ذہن اس رو پر بہتا چلا جاتا ہے جو آپ کی انشاء پردازی میں بجلی کی طرح دوڑ رہی ہے۔ ان کی انشاء پردازی میں غایت درجہ موثر طرزِ تحریر پائی جاتی ہے۔ جس کے ذریعہ تبلیغِ مقاصد بحسن و خوبی انجام پاتی ہیں جو ان کی پیشِ نظر ہیں۔ ان کے نوع بہ نوع اسالیب کے سلسلے میں ڈاکٹر صابر

سنبھلی رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے زندگی بھر نثر نگاری کی اور اردو ادب کے سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیا لیکن ابھی تک نہ تو ان کی نثر کی کیت کا صحیح اندازہ ہو پایا ہے اور نہ کیفیت کا جیسا کہ سبھی جانتے ہیں ان کی نثر کا موضوع اول تا آخر دینِ اسلام رہا، لیکن طویل مدت تک لکھنے اور بسیار نویسی کے باعث ان کی نثر کا اسلوب بھی ایک نہیں ہے۔ تحقیقی تحریر کا اسلوب الگ ہے تو تنقیدی تحریروں کا الگ، فقہ کا الگ ہے تو عقائد کا الگ، منقولات سے کام لیتے ہیں تو اندازِ بیان اور ہوتا ہے، معقولات کا سہارا لیتے ہیں تو اور، فلسفے اور منطق میں نثر کا جو انداز ہے سائنسی موضوعات میں اس سے ہٹ کر ہے۔ جہاں عقلیت کی کارفرمائی ہے وہاں تحریر کا رنگ دوسرا ہے اور جہاں جذباتِ عشقِ رسول (ﷺ) الفاظ کا جامہ پہنتے ہیں وہاں کوئی اور۔''[19]

امام احمد رضا خان کی انشاء پردازی کی مختلف جہتیں ان کی نوع بہ نوع کی تصانیف میں دیکھنے کو ملتی ہیں جس کا تجزیہ حسبِ صراحتِ ترتیب درج ہے۔

امام احمد رضا خان کی انشاء پردازی
کنز الایمان کے آئینے میں

امام احمد رضا خان کے اردو ترجمۂ قرآن کا پورا نام ''کنز الایمان فی ترجمۃ القران'' ہے جو ''کنز الایمان'' کے نام سے مشہور ہے۔

قرآن مقدس

قرآن مقدس کا نزول چھٹی صدی عیسوی میں اس شان سے ہوا:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝

ترجمہ: بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔[20]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اتارنے والا کون ہے! اور کس پر یہ قرآن مقدس اتارا گیا اور اتارے جانے کی غرض وغایت کیا ہے اور اس کی بوئے ہدایت کا رسوخ کہاں کہاں ہوگا؟

اسی قرآن کریم نے اپنے خود ساختہ ہونے کا انکار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَمَا کَانَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ لَارَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ: اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنالے بے اللہ کے اتارے، ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں، پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔''[21]

قبل اسلام کا زمانہ عربی ادب کا تاریخی دور تھا اور شاعری عربوں کی مرغوب تھی۔ مشہور عربی قصائد جن کو ''سبعہ معلقات'' کے نام سے دنیا جانتی ہے جسے ایک کتابی صورت حاصل ہے اور آج مدارسِ عربیہ میں شاملِ نصاب تعلیم ہے، یہ قصائد اپنے زمانے میں عربی ادب کے عظیم شاہکار تھے۔ انہیں سنہرے حروف میں لکھ کر دیوارِ کعبہ میں آویزاں کر دیا جاتا جو سالوں سے یوں ہی لٹک رہے تھے جن کے جواب لوگوں سے نہیں بن پا رہے تھے۔[22] لیکن قرآنی جواب سے منہ کے بل گر پڑے اور پھر تو قرآنی چیلنج نے ان کے غرور کو خاکستر کر دیا، ملاحظہ ہو:

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ۝

ترجمہ: اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (ان خاص) بندے پر اُتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے

آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو، پھر اگر نہ لا سکو، اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے، تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔ ۲۳

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب اور اس کے محبوب خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ (ﷺ) کا ایک زندہ درخشندہ معجزہ ہے۔ اس کی صداقت کی مہر رب کریم جل جلالہ نے یہ فرما کر ثبت کر دی:

ذَالِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ .

ترجمہ: وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔'' ۲۴

قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے بندوں کے لئے آخری پیغام ہے۔ اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں بنیادی اثاثہ قرآن حکیم ہے۔ یہی کتاب مرکز ہدایات ہے اور اسی کے ذریعے جن وانس کو ہدایت نصیب ہوئی۔ قرآن مقدس کا فیضان زمان ومکان کے حدود سے بالاتر ہو کر کائنات کے گوشے گوشے میں جاری ہے اور جاری رہے گا۔ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری ربّ کائنات نے خود اٹھائی اور اسے پڑھنے اور پڑھانے کا کام اپنے ذمۂ کرم پر رکھا اور سچ ہے آج قرآن پاک محفوظ بھی ہے پڑھا اور پڑھایا بھی جا رہا ہے، فضائیں اس کی آواز سے گونج رہی ہیں۔ رب کریم نے اپنی اس کتابِ عظیم کی حفاظت مختلف انداز میں فرمائی اور آئندہ بھی فرماتا رہے گا۔ قرآنِ مقدس کا چرچا کہاں نہیں! تقریر، تحریر، تعلیم وتدریس اور تجوید وقراءت کے ذریعے قرآنِ عظیم کے متن ومعانی کو کتابوں میں، ذہنوں وسینوں میں پوری طرح محفوظ کیا گیا۔ نمازِ پنجگانہ، جمعہ، عیدین اور تراویح وغیرہ کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کو لازمی قرار دیا گیا۔ تفاسیر وتشریحات اور تراجم کے توسط سے قرآن پاک کے معانی ومطالب کو محفوظ کیا گیا۔ عربی اور اردو میں خاص کر تفسیروں اور ترجموں کا ایک عظیم ذخیرہ محفوظ ہے۔ سو سے زیادہ زبانوں میں تراجم اور چند زبانوں میں تفاسیر وتشریحات موجود ہیں۔ نیز فنِ خطاطی کے ماہرین نے مختلف انداز میں قرآن اقدس کے ظاہری حسن وجمال کا مظاہرے کیے۔ دھاتوں، لکڑیوں اور پتھروں پر آیاتِ قرآنِ مقدس نقش کر کے حسن کاری کے بہترین جلوے دکھائے۔ ربّ کریم نے سائنس کو ترقی دے کر اشاعتِ قرآن کی عظیم راہیں ہموار کر دیں۔ چنانچہ طباعتی مشینیں، فوٹو گراف۔ فوٹو اسٹیٹ، مائیکرو فلم، کمپیوٹر، آڈیو کیسٹ، ویڈیوں کیسٹ، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

الغرض کائنات میں بغیر تحریف وتبدیل سب سے زیادہ پڑھنے پڑھانے اور ترجمہ وتشریح کی جانے والی مقدس کتاب قرآن کریم ہے۔

ترجمۂ قرآن کریم

قرآنِ مجید عربی زبان میں نازل ہوا جو عرب والوں کی مادری زبان تھی۔ قرآنِ مقدس کے فیضان کا اجرا ابتداءً

عرب سے ہوا مگر جوں جوں اسلام کا آفاقی پیغام سرزمینِ عرب سے نکل کر دیگر ممالک میں پہنچا توں توں قرآن کریم کے معانی ومطالب کی ضرورت کا احساس دوسری زبانوں میں ہونے لگا۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ خود رسول کریم (ﷺ) کے زمانۂ اقدس میں ہی جزوی طور پر ترجمۂ قرآن کریم کا عمل انجام پایا ہو کیونکہ رسول اکرم (ﷺ) کے بیشتر تبلیغی مکاتیب غیر عربی فرماں رواؤں کے پاس گئے اور مکتوب الیہ نے عربی سے ناواقف ہونے کی صورت میں ترجمہ وتشریح سے کام لیا۔

ایک عظیم محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مطابق قرآنِ مقدس کا پہلا ترجمہ زبانِ فارسی میں ہوا۔ موصوف رقم طراز ہیں:

''چنانچہ اولین تراجم وتفاسیر میں حضرت سلیمان فارسی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (متوفی ۳۵ھ/۶۵۵ء) سورۂ فاتحہ کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے جو انہوں نے نومسلم ایرانیوں کے لئے کیا تھا۔'' [۲۵]

تاریخی حوالے سے یہ پتہ ملتا ہے کہ قرآنِ مقدس کا ترجمہ ہندی زبان میں ۲۷۰ھ میں ہوا چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مزید رقم طراز ہیں:

''تیسری صدی ہجری کی یہ روایت ملتی ہے کہ کشمیر کے راجہ مہروک کے لئے سندھ کے ایک عراقی النسل عالم عبداللہ بن عمر نے قرآن حکیم کا زبانِ ہندیہ میں ترجمہ کیا۔'' [۲۶]

یہ ترجمے اگرچہ نایاب ہو چکے ہیں تاہم انہیں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ پھر جب آہستہ آہستہ اسلام کی خوشبو پورے برصغیر میں پہنچ گئی تو یہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیم سے کماحقہٗ آشنا کرانے کے لئے یہاں کی زبان میں ترجمۂ قرآنِ مقدس ناگزیر ہو گیا۔ ابتداءً قرآن کریم کی تحریک کو آگے بڑھانا آسان نہ تھا کیونکہ اس سلسلے میں مخالفت کی دیوار حائل تھی مگر ضرورت کے پیشِ نظر مخالفت کی دیوار منہدم ہوئی اور تحریک ترجمۂ قرآن کریم پروان چڑھتی گئی۔

برصغیر میں اسلام کے ابتدائی مرحلے میں ہی محمد بن قاسم کی عظیم فتح ہوئی اور یہاں ۹۳ھ/۷۱۲ء میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ اور عربی زبان یہاں کی علاقائی بولیوں کے امتزاج سے بولی جاتی رہی لیکن یہ سلسلہ بہت جلد ختم ہو گیا اور عربی کی جگہ فارسی نے لے لیا۔ اس طرح ہزار سال تک تقریباً قرآن کی تعلیم اسی زبان میں ہوتی رہی۔

برصغیر ہند میں قرآن کریم کے فارسی زبان میں ترجمے کا آغاز ۷ویں صدی ہجری بتایا جاتا ہے گرچہ جزوی طور پر اس سے قبل کی بھی تاریخ ملتی ہے۔ ایک ترجمہ شیخ سعدی کی طرف منسوب ہے جسے قرآن کریم کا باضابطہ پہلا ترجمہ مانا جاتا ہے مگر مورخین کا اس میں اختلاف ہے۔ اس کے علاوہ قدیم تراجم قرآنِ حکیم میں ملک العلماء شہاب الدین بن شمس الدین (م ۸۴۹ھ)، استاذ شیر شاہ سوری، مخدوم نوح ہالائی (م ۹۸۹ھ) کے ہیں۔

مزید فارسی تراجم وتفاسیر کا تاریخ میں سراغ ملتا ہے۔ ایک فارسی ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۵ھ /

۱۷۰۳ھ/۱۱۷۶ھ/۱۷۶۳ء) کا بھی ہے جسے ترجمہ کی مسلم حیثیت حاصل ہے۔ کیونکہ ان کے ترجمہ سے قبل کے تراجم کو توضیحی یا تشریحی کہنا بہتر ہوگا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمہ کی تکمیل ۱۱۵۱ھ میں ہوئی جس کا نام ''فتح الرحمٰن'' رکھا۔ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ مولوی عبدالحق نے شاہ صاحب کے اس ترجمہ کو برصغیر میں اول ترجمہ قرار دیا ہے۔ ۲۷

فارسی ترجمۂ قرآن میں جو مقبولیت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمۂ قرآن کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بارہویں صدی ہجری میں پورے برصغیر میں یہ دیکھتے ہوئے کہ عربی زبان یہاں سے رخصت ہو رہی ہے اور عام لوگوں تک زبان فارسی کی رسائی ہے تو قرآنی تعلیمات کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے فارسی زبان میں ترجمۂ قرآنِ مقدس کیا۔

ادھر بارہویں صدی ہجری ہی میں زبان اردو نہ صرف ادبی رنگ و آہنگ اختیار کر چکی تھی بلکہ کثیر تصنیفات و تالیفات اور تراجم کی وجہ سے عام فہم زبان بن چکی تھی دوسری جانب عربی کے بعد فارسی زبان بھی یہاں سے رخصت ہو رہی تھی اور اس کی جگہ اردو نے لی۔ مگر اس کے باوجود علماء اور صوفیاء نے قرآن مجید کے ترجمہ کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ ایسے وقت میں پھر شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحبزادے آگے بڑھے اور اردو زبان میں ترجمہ قرآن مقدس کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے شاہ محمد رفیع الدین دہلوی (و ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء۔ م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) نے قرآن کریم کا اردو میں پہلی بار لفظی ترجمہ ۱۲۰۰ھ/۱۷۶۷ء میں مکمل کیا۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالحق رقم طراز ہیں:

''شاہ رفیع الدین کا ترجمہ پہلی بار کلکتہ کے اسلام پریس میں دو جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلی جلد ۱۲۰۰ھ اور دوسری اس کے دو برس بعد شائع ہوئی۔ ترجمہ میں عربی جملہ کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی ہے۔'' ۲۸

شاہ رفیع الدین دہلوی کے اردو لفظی ترجمۂ قرآنِ کریم کے سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری رقم طراز ہیں:

''شاہ رفیع الدین نے بہت ممکن ہے اس بات کے پیش نظر کہ اردو زبان ابھی اپنی ارتقائی منزل سے گزر رہی ہے اور زبان میں فصاحت و بلاغت بھی پوری طرح پیدا نہیں ہوئی ہے، قرآن کا بامحاورہ ترجمہ کرنے سے گریز کیا مگر وقت کی ضرورت کو مدِ نظر رکھا کہ اگر اردو ترجمہ پیش نہ کیا گیا تو مسلمان قرآن کی معرفت سے محروم رہ جائیں گے لہٰذا ہندوستان کے سیاسی حالات میں انگریزوں کا بڑھتا ہوا اثر دیکھ کر انہوں نے ترجمہ کر کے دوسرے علماء کے لئے راہ ہموار کر دی۔'' ۲۹

شاہ رفیع الدین دہلوی کے لفظی ترجمۂ قرآن حکیم کے بعد ان کے تیسرے بھائی شاہ عبدالقادر (و ۱۱۶۷ھ/۱۷۲۵ء۔ م ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) دہلوی نے اردو زبان کی تاریخ میں پہلا بامحاورہ ترجمۂ قرآن کریم ''موضح القران'' کے نام سے ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں مکمل کیا۔

''موضح القران'' سے متعلق خود شاہ عبدالقادر دہلوی رقم طراز ہیں:

''آدمی ہزار انجان پیدا ہوتا ہے پھر سب چیزوں سے سیکھتا اور بتانے سے جانتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کا پہچاننا بھی بتانے سے اور سکھانے سے آتا ہے۔ پر کلام پاک خدا تعالیٰ کا عربی زبان میں ہندستانیوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے اس واسطے سے بندۂ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بڑے حضرت شیخ ولی اللہ، عبدالرحیم صاحب کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے، ہندوستان میں رہنے والے، نے فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں اسی طرح عاجز نے ہندی زبان میں قرآن شریف کے معنی لکھے۔ الحمدللہ کہ یہ آرزو بارہ سو پانچ ہجری میں حاصل ہوئی۔

ہندی زبان میں کم سمجھنے والوں کے واسطے آسان کر کے بیان کیے ہیں اور اس کا نام ''موضح القران'' ہے یہی اس کی صفت ہے یہی اس کی تاریخ ہے۔''[۳۰]

محولہ بالا عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقادر دہلوی نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہ عظیم کام یعنی ترجمۂ قرآن سہل انداز میں اردو زبان میں کیا۔

واضح ہو کہ شاہ عبدالقادری دہلوی نے اپنے اس ''ترجمۂ قرآن'' میں روزمرہ کی گفتگو اور محاوروں کا خیال رکھا ہے عربی الفاظ کے لئے مناسب اردو الفاظ پیش کیے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں ڈاکٹر مجید اللہ قادری لکھتے ہیں:

''شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمۂ قرآن اردو ہندی لغت کا ایک عظیم گنجینہ ہے۔ آپ نے زیادہ تر وہی زبان استعمال کی ہے جو عوام میں بولی جاتی تھی۔ شاہ عبدالقادر دہلوی نے دراصل عوامی زبان اور محاوروں کو قرآن جیسی کتاب کے ترجمے کے لئے استعمال کر کے اس کو ایک نئی رفعت عطا کی جس سے اردو زبان میں اظہار کی غیر معمولی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔[۳۱]

شاہ برادران نے قرآن کریم کا اردو ترجمہ کر کے برصغیر متحدہ ہند کے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا۔ نیز اردو کو طرز جدید سے آشنا کرایا۔

شاہ برادران سے قرآن مقدس کے تراجم کا باضابطہ سلسلہ شروع ہوتا ہے اور بتدریج یکے بعد دیگرے تراجم قرآن پاک منصۂ شہود پر آتے گئے۔ ان تراجمِ کلامِ الٰہی میں بعض کو شہرت میسر ہوئی اور بعض غیر معروف ہو کر رہ گئے۔ بعض معروف مترجمینِ قرآنِ کریم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (و۱۸۳۰ء یا ۱۸۳۶ء مختلف فیہ)

آپ نے ترجمۂ قرآنِ پاک کا کام ۱۸۹۳ء سے شروع کیا جو کہ ۱۸۹۵ء میں مکمل ہوا جس کی پہلی بار مطبعِ قاسمی دہلی نے طباعت کی۔

۲۔ سرسید احمد خان: (و۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء/ م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۵ء)

آپ ترجمۂ قرآن مقدس مع تفسیر ابتدائی ۱۵ پاروں تک ہی مکمل کر سکے۔ جس کی پہلی جلد ۱۲۹۲ھ / ۱۸۸۰ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی بعدہٗ دوسری جلدیں طبع ہوتی رہیں حتیٰ کہ ۱۸۹۵ء میں نصف قرآن کریم کا ترجمہ مع تفسیر مکمل کر سکے۔

۳۔ عاشق الٰہی میرٹھی: (و ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء / م ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء)

آپ نے ۲۰ سال کی عمر میں قرآن مقدس کا ترجمہ مکمل کیا۔

۴۔ مولوی عبدالحق حقانی دہلوی: (و ۱۲۶۷ھ / م ۱۳۳۵ھ)

آپ کے ترجمہ وتفسیر کی اشاعت ۱۳۰۵ھ سے شروع ہوئی جب کہ آخری جلد پہلی بار ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں مجتبائی پریس دہلی سے طبع ہوئی۔

۵۔ مولوی اشرف علی تھانوی (و۔ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء / م ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۱ء)

آپ کا ترجمۂ قرآن مع تفسیر "بیان القرآن" ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں مکمل ہوا اور ایک روایت کے مطابق ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے پہلی بار شائع ہوا۔

۶۔ امام احمد رضا خان: (و ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء / م۔ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء)

آپ کا ترجمۂ قرآن پاک بنام "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں مکمل ہوا۔

مندرجہ بالا مترجمین کے بعد کے بعض مترجمین مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مولوی محمود الحسن دیو بندی: (و ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء / م ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء)

آپ نے ترجمۂ قرآن حکیم کا کام ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں شروع کیا اور ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء میں مکمل کیا۔

۲۔ ابوالکلام آزاد: (و ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء / م ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء)

آپ کے ترجمۂ قرآن کریم کی پہلی جلد ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء میں جید برقی پریس دہلی سے شائع ہوئی دوسری جلد ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء میں جب کہ تیسری جلد کو آپ کے اخبار "الہلال" سے ترجمہ اخذ کر کے غلام رسول مہر نے مرتب کی۔

۳۔ چوہدری غلام احمد پرویز: (و ۱۹۰۳ء /)

آپ کے ترجمۂ قرآن مجید کی پہلی جلد ۱۹۴۱ء میں دوسری اور تیسری جلد ۱۹۴۵ء میں معارفِ قرآن کے نام سے دھلی سے شائع ہوئی۔ جب کہ چوتھی جلد معراجِ انسانیت کے نام سے ۱۹۴۹ء میں لاہور (پاکستان) سے شائع ہوئی۔

۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی: (و ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء / ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء)

آپ نے ترجمۂ قرآن کریم کا کام ۱۹۴۹ء میں شروع کیا تھا جسے ۳۲ سال میں "تفہیم القرآن" کے نام سے ۶ جلدوں پر مشتمل مکمل کیا۔

۵۔عبدالماجد دریابادی: (و ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء)

آپ کے ترجمۂ قرآن پاک اور ''تفسیرِ ماجدی'' کی طباعت ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔۳۲؎

امام احمد رضا خان کا ترجمۂ قرآنِ پاک:

امام احمد رضا خان کے (اردو) ترجمۂ قرآنِ عظیم سے قبل متعدد تراجمِ قرآن منظرِ عام پر آگئے تھے اور بعض تراجم قرآن ان کے بعد بھی منصۂ شہود پر آئے۔جیسا کہ ذکر ہوا۔آپ کے ترجمۂ قرآن کریم کے محرکِ کار آپ کے خلیفہ علامہ مفتی حکیم امجد علی (صدر الشریعہ) ہیں۔صدر الشریعہ نے آپ سے ترجمۂ قرآنِ مقدس کی طرف توجہ کرنے کی گزارش کی تو آپ نے کہا:

''مولانا امجد علی چونکہ ترجمۂ قرآن کے لئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لئے آپ رات میں سونے سے پہلے یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔''۳۳؎

چنانچہ صدر الشریعہ ایک دن کاغذ، قلم اور دوات لے کر امام احمد رضا خان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ترجمۂ قرآنِ مقدس کا کام شروع ہوا۔

امام احمد رضا خان بغیر کسی معاون کتب کے سہارے آیات کریمہ کے ترجمے برجستہ طور پر املا کراتے جاتے اور صدر الشریعہ تحریر کرتے جاتے۔چنانچہ علامہ بدر الدین احمد قادری رقم طراز ہیں:

''ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے۔لیکن ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر ولغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوتِ حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فرفر پڑھتا جاتا ہے۔پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتبِ تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔۳۴؎

بالآخر اسی صورت میں مختصر سے وقت میں امام احمد رضا خان نے صدر الشریعہ کے اصرار سے قرآن کریم کا ترجمہ زبان اردو میں ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں مکمل کیا اور اس ترجمہ کا نام ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' رکھا۔اس سے ۱۳۳۰ھ کے اعداد نکلتے ہیں۔

بعض دانشوروں کی ''کنز الایمان'' کے متعلق آراء

۱۔محترمہ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا قرآن (مجید) میں غیر معمولی بصیرت رکھتے۔امام احمد رضا کا شمار عالم اسلامی کے ان خواص علماء میں ہوتا ہے کہ جن کی قامت پر ''رسوخ فی العلم'' کی قبا راست آتی ہے قرآن کریم سے ان کو غیر معمولی شغف تھا انہوں نے اللہ کے کلام میں برسوں تدبر کیا، اسی مسلسل تدبر وفکر کا نتیجہ تھا کہ امام احمد رضا کو قرآنِ پاک سے خاص نسبت ہوگئی ان کا ترجمۂ قرآن ان کے برسوں کے فکر وتدبر کا نچوڑ ہے۔''۳۵

۲۔مولانا کوثر نیازی، سابق وزیر برائے مذہبی امور پاکستان رقم طراز ہیں:

''حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں وہ بارگاہ رسالت میں ان کے ادب واحتیاط کی روش کا نتیجہ ہے ۔شاعر نے شاعری نہیں کی شریعت کی ترجمانی کی ہے ۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

اور میرا اپنا ایک شعر ہے ۔

لے سانس بھی آہستہ کہ دربارِ نبی ہے
خطرہ ہے بہت یاں بے ادبی کا

سوزِ نہاں ہے جوان کا حرزِ جاں ہے، ان کا طغرائے ایماں ہے، ان کی آہوں کا دھواں ہے، حاصل کون ومکان ہے ، برتر از این وآن ہے، باعثِ رشکِ قدسیاں ہے، راحتِ قلبِ عاشقاں ہے، سرمۂ چشمِ سالکاں ہے، ترجمۂ ''کنز الایمان '' ہے۔۳۶

۳۔استاذ سعید بن یوسف زئی امیر جمیعۃ اہل حدیث پاکستان رقم طراز ہیں:

''مگر میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ کہوں گا الٓمّٓ سے لے کر والناس تک ہم نے ''کنز الایمان'' میں نہ کوئی تحریف پائی ہے نہ ہی کسی بدعت اور شرک کے کرنے کا جواز پایا ہے بلکہ یہ ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کے لئے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت ، علوت، تقدس وعظمت وکبریائی کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے جب کہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتب فکر کے علماء کے ہوں ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔''

مزید رقم طراز ہیں:

''کنزالایمان'' واقعی ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے جو کہ ہر ایک متبع رسول اللہ (ﷺ) کو پڑھنا چاہئے! میں یہ بات برملا کہوں گا کہ ''کنزالایمان'' کا مطالعہ ہر اس شخص کے حق میں مفید ہے جو کہ جنابِ رسالت مآب (ﷺ) کا صحیح معنوں میں اطاعت گزار ہے۔[۳۷]

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری رقم طراز ہیں:

''اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا خان) کا ترجمۂ قرآن سامنے ہو تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح قرآن کا اپنا ایک اسلوب ہے جو نہ تقریری ہے نہ تحریری بلکہ ایک جداگانہ اور منفرد اسلوب ہے اسی طرح اس عظیم ترجمے کا بھی اپنا خاص اسلوب ہے جو نہ تقریری کہا جاسکتا ہے نہ تحریری اور جس طرح قرآنی اسلوبِ بیان کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی اسی طرح یہ ترجمہ بھی بے نظیر و بے مثال ہے۔''[۳۸]

۵۔ پروفیسر امتیاز سعید احمد، سابق ڈائریکٹر وزارتِ مذہبی امور حکومتِ پاکستان رقم طراز ہیں:

''دوسری بات جو اس ترجمے میں خاص ہے وہ اس کی ادبی اہمیت اور اس کا اسلوبِ نگارش ہے۔ بے شک اُس دور میں اردو زبان پر عربی اور فارسی اثرات تھے اور امام موصوف خود عربی، فارسی کے معتبر عالم تھے مگر آپ نے پورے ترجمے میں اردو زبان کے محاورے کا خاص خیال رکھا اور اس بات کا اہتمام کیا کہ ترجمے میں قرآنِ حکیم کی عظمت و وقار میں کوئی فرق نہ آئے۔''[۳۹]

۶۔ ملک شیر محمد خان اعوان آف کالاباغ پاکستان، رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم ترین مترجم ہیں جنہوں نے انتہائی کدوکاوش سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے جس میں روحِ قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے، مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور بامحاورہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورات کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔''

مزید رقم طراز ہیں:

''اس دور میں اردو اس قدر ترقی یافتہ زبان نہیں تھی جتنی آج مگر انہوں نے جو کچھ برسوں پیشتر لکھا ہے اسے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی آج کا ادیب ترجمہ تحریر کر رہا ہے۔''[۴۰]

۷۔ ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے قرآن کریم کے مطالب و معانی اور اسرار و معارف کو جس مہارت و خوبی کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے اسی کی نظیر نہیں۔ بلاشبہ ''کنزالایمان'' اردو کا وہ بے مثال واحد ترجمہ ہے جس میں قرآنی انوار جھلکتے نظر آتے ہیں۔''[۴۱]

قرآنِ کریم کا اپنا اسلوب بیان لفظی ہے نہ ہی بامحاورہ۔قرآن مقدس چونکہ کلام ربانی ہے لہٰذا اس کا اپنا منفرد اسلوب، حُسنِ کلام، روانیِ بیان، شکوہِ لفظی اور مضامین میں ربط وضبط وغیرہ قرآنی اسلوب کی ایسی خوبیاں ہیں جنہیں نہ تو لفظی ترجمہ اپنے اندر سموسکتا ہے نہ ہی بامحاورہ ترجمہ۔

امام احمد رضا خان کا ترجمۂ قرآن لفظی ترجمہ کے نقائص سے بھی پاک ہے اور بامحاورہ ترجمہ کی کمزوریوں سے بھی مبرا ہے۔

ترجمۂ امام احمد رضا خان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لفظی ترجمے کے محاسن کے حوالے سے قرآن کریم کے ہر ہر لفظ کا مفہوم اس طرح واضح کردیا ہے کہ اسے پڑھ لینے کے بعد کسی لغت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور اس ترجمہ نے بامحاورہ ترجمہ کے محاسن کو بھی اس خوبی کے ساتھ اپنے اندر سمولیا ہے کہ عبارت میں کسی قسم کا ثقل محسوس نہیں ہوتا۔

قرآن مقدس کی ایک آیت پاک کے چند الفاظ یہ ہیں:

"وَلِيُعَلِّمَكَ مِنْ تَاوِيْلِ الاَحَادِيْثِ" ۴۲

اکثر لوگ اس کا بامحاورہ ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

''اللہ تجھے خوابوں کی تعبیر سکھادے گا''۔

اسی طرح لفظی ترجمہ کرنے والوں نے بھی ''تاویل الاحادیث'' کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے کہ بات صاف نہیں ہوتی!

اس طرح دونوں قسم کے ترجموں سے لفظ ''تاویل'' کا معنی واضح نہ ہوسکا۔اور یہ پتہ نہ چل سکا کہ ''تاویل'' کسے کہتے ہیں۔

اب ذرا ترجمہ ''کنزالایمان'' دیکھئے امام احمد رضا خان اس مقام کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔

''اور (تیرارب) تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا۔''

امام احمد رضا خان نے ''احادیث'' کا ترجمہ ''باتوں'' کیا ہے اس لئے کہ حدیث بات کو کہتے ہیں۔اسی طرح آپ نے ''تاویل'' کا معنی ''انجام نکالنا'' کیا۔ ''تاویل'' کا معنی متعین کرنے اور یہ دیکھنے کے لئے آیا۔ یہ معنی فی الواقع عربی قواعد وضوابط کے روسے درست ہے۔کتب لغت کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ازروئے لغت ''تاویل'' کا لفظ ''اول'' سے مشتق ہے اور اَول کا معنی ہے۔

"ردشئی الی الغایته المرادة منه".

ترجمہ: کسی شی کا غایت مقصود یعنی انجام کی طرف لوٹ آنا۔"

اسی کو تاویل کہتے ہیں اسی سے مآل ہے[۴۳] جس کا معنی انجام ہے۔ چنانچہ "تاویل" کا مطلب انجام نکالنا، انجام سے باخبر ہونا، غایت سے آگاہ ہونا اوراس مقصود اصلی سے مطلع ہونا ہے جو کسی کلام کی تہ میں مخفی ہو۔ لہٰذا امام احمد رضا خان کا یہ ترجمہ لفظی بھی ہے اور بامحاورہ بھی۔ اس طرح کی اور بھی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن یہاں ضرورت نہیں ہے۔

انداز بیان

قرآن حکیم نہ تو معروف معنوں میں تقریری انداز میں نازل ہوا ہے اور نہ ہی تحریری انداز میں۔ قرآن کا خطاب بے شک کبھی حضور اکرم (ﷺ) سے ہے اور کبھی اہل مکہ سے کبھی اہل مدینہ سے اور کبھی تمام عالم انسانیت سے۔ لہٰذا اسلوب قرآن یہ ہے کہ وہ کبھی حاضر کے صیغہ میں کلام کرتا ہے تو کبھی غائب اور متکلم کے صیغے میں، کبھی جمع کے صیغے لاتا تو کبھی واحد کے، کبھی استدلالی انداز اختیار کرتا ہے، تو کبھی وعظ ونصیحت کا اسلوب اپناتا ہے، کبھی امر کرتا ہے کبھی نہی، کہیں اس کا لہجہ سخت ہے اور کہیں نرم۔ اس اسلوب کو نہ تو ہم مطلقاً تقریری کہہ سکتے ہیں نہ ہی مطلقاً تحریری۔ قرآن کریم کا اپنا منفرد اور جداگانہ اسلوب ہے۔

اب اس سلسلے کی ایک مثال دیکھئے کہ ترجمہ میں امام احمد رضا خان نے جو اسلوب اپنایا ہے، بلاشک وشبہ تقریری ہے نہ ہی تحریری بلکہ ان دونوں سے الگ ایک ایسا انداز ہے جس میں کلام الٰہی کے حسن ورعنائی کی جھلک بھی موجود ہے اور فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ قرآنی اسلوب کی انفرادیت اور چاشنی بھی۔

مثال:

يٰبُنَىَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ الی آخرہ [۴۴]

ترجمہ امام احمد رضا خان:

"اے میرے بیٹے نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بُری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بے شک یہ ہمت کے کام ہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کر اور زمین پر اتراتا نہ چل، بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر، بے شک سب آوازوں سے بری آواز گدھے کی ہے۔"

جو ربط وضبط اور نظم، روانی بیان اور حسن وخوبی قرآنی الفاظ میں ہیں ان کی جھلک اس ترجمہ میں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہے۔

امام احمد رضا خان نے بہت سے عربی الفاظ کا ترجمہ لفظی نہ کر کے اس طور سے کیا ہے کہ مفہوم بھی ادا ہوجائے اور اللہ عز وجل ورسول (ﷺ) اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں تنقیص بھی نہ ہونے پائے۔

مثلاً ''کید'' عربی کا لفظ ہے اور اس کے معانی ہیں داؤں، فریب، مکر، تدبیر وغیرہ۔ اللہ عزوجل کے لئے داؤں یا داؤ، مکر، فریب وغیرہ الفاظ ہرگز شایانِ شان نہیں۔ اکثر لوگوں نے انہیں لفظوں میں سے کوئی نہ کوئی لفظ لکھا ہے۔ مگر جہاں کہیں اس لفظ کا اطلاق اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف ہے وہاں پر امام احمد رضا خان نے ''تدبیر'' لکھا ہے۔[۴۵]

اسی طرح سورہ فتح کی آیت نمبر۲:

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ

کے ترجمہ میں عام مترجمین نے ذنب کی نسبت سید عالم ﷺ کی طرف کی ہے یہاں تک کہ ''ذنب'' کا اردو ترجمہ گناہ کر کے معاذ اللہ حضور اکرم شفیع الامم ﷺ کو گنہگار، خطا کار لکھ دیا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کا پی۔ ایچ۔ ڈی مقالہ ''کنز الایمان اور اردو کے دیگر معروف تراجم کا تقابلی جائزہ'' مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، پاکستان)۔ لیکن امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی نے اس مقام پر سید عالم رسول محتشم ﷺ کے مقام و مرتبہ اور عزت و عصمت اور عظمت و طہارت کو مدِّ نظر رکھ کر جو ترجمہ کیا ہے اس کو پڑھ کر قاری کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور امام احمد رضا کی قرآن فہمی اور دیگر علوم مثلاً علمِ تفسیر، اصولِ تفسیر، علمِ حدیث، اصولِ حدیث، علم صرف و نحو و لغت پر ان کی گہری دسترس کا اندازہ اس ترجمہ سے ہو جاتا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

''تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے۔''[۴۵(ب)]

امام احمد رضا خان نے عام اردو الفاظ استعمال کئے ہیں:

مثلاً: ''آجر'' کے لئے ''کامیوں''، ''اجر'' کے لئے ''نیگ''[۴۶] وجہ یہ ہے کہ اللہ جو اجر دیتا ہے وہ بھی اس کا احسان ہے اور ''نیگ'' کہتے ہیں خوش ہو کر دینے کو اس طرح ''انعمت علیھم''[۴۷] کے لئے آپ نے احسان یافتہ، یا (جن پر احسان فرمایا) لکھا ہے جب کہ دیگر مترجمین نے لکھا ہے ''انعام یافتہ، یا جن پر انعام فرمایا ہے'' یہاں بھی وہی نکتہ ہے کہ رب العزت جس کو جو بھی عطا کرتا ہے وہ اس کا احسان ہے۔

اس طرح چند الفاظ اور بھی دیکھئے۔

اہل کتاب کے لئے ''کتابیوں''، ''تفرقہ کے لئے'' ''پھٹنا'' وغیرہ[۴۸] اور چند الفاظ بلا تبصرہ دیکھئے: اور امام احمد رضا خان کی لسانی خدمت کی داد دیجئے۔

مثلاً ''بیر، جلن، گھٹن، گھٹاٹوپ، خیال بندیاں، منہ اجالا ہونا، خواری جمادی گئی'' وغیرہ۔

''تعلمون''[۴۹] کے لئے آپ نے کہیں ''کوتکوں'' لکھا ہے کہیں ''کرتوتوں'' اور ''بغضاء'' کا ترجمہ ''بیر''[۵۰] لکھا ہے۔

سلاست، ترنم اور نغمگی

قرآن مقدس کا مطالعہ کرنے والے اس کے اس اعجاز سے خوب واقف ہیں کہ جب اسے خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو ایسا ترنم پیدا ہوجاتا ہے جیسے آبشار گرتا ہے بلکہ آبشار کی نغمگی سے کہیں زیادہ کلامِ الٰہیہ میں حسن وصوتی ترنم کی چاشنی ونغمگی معلوم ہوتی ہے کہ سننے والا جھوم جھوم اٹھتا ہے۔

امام احمد رضا خان نے اپنے ترجمہ میں قرآنی انداز کی نغمگی بھردی ہے۔

مندرجہ ذیل آیات کی خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کیجئے اور ساتھ میں امام احمد رضا خان کا ترجمہ پڑھئے۔ صوتی حسن اور نغمگی کا کیسا احساس ہوتا ہے:

۱۔ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ o وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ o .... وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ o عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ o ؂۱

ترجمہ: جب دھوپ لپیٹی جائے، اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب پہاڑ چلائے جائیں اور جب تھلکی (گابھن) اونٹنیاں چھوٹی پھریں اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں اور جب سمندر سلگائے جائیں اور جب جانوں کے جوڑ بنیں اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے اور جب جہنم بھڑکایا جائے اور جب جنت پاس لائی جائے، ہر جان کو معلوم ہوجائے گا جو حاضر لائی۔

سبحان اللہ! کیا صوتی حسن، ترنم اور تغنم ہے!

امام احمد رضا خان کا ترجمہ ان خوبیوں کا آئینہ دار ہے۔

۲۔ مثال سورۂ ''النزاعت'' کی چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا o وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا o وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا .... اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ؂۲

ترجمہ: ''قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے پیریں، پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں، پھر کام کی تدبیر کریں کہ کافروں پر ضرور عذاب ہوگا جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی۔ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی۔ کتنے دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔ آنکھ اوپر نہ اٹھا سکیں گے۔''

یہاں بھی کیف وسرور اور ترنم وانبساط کا وہی عالم ہے جو کلام پاک سے ہوتا ہے۔

دراصل ترجمہ میں مترجم پر کچھ پابندیاں ہوتی ہیں کہ وہ اصل کتاب یا قرآن کریم کے ترجمے میں اصل کا پابند رہتا ہے۔ البتہ خوبی یہ ہے کہ جو کیفیت اصل عبارت یا آیات میں ہو اسے ظاہر کردیا جائے اور پس یہی ترجمہ کا کمال ہے۔ امام احمد رضا خان ایسے الفاظ لائے ہیں جو قرآنی مفہوم ادا کرتے ہیں اور اس کے حسن، اندازِ جمال وجلال، صوتی آہنگ، ترنم وتغنم

وغیرہ کو ظاہر کردیتے ہیں۔

مثال نمبرا میں دیکھئے:

''چلائے جائیں، سلگائے جائیں۔کئے جائیں'' وغیرہ میں صوتی آہنگ، نیز جملوں کا زیر و بم، بول چال کے الفاظ۔ان سب نے ترجمہ میں حسن برپا کردیا ہے۔

مثال نمبر۲۔میں دیکھئے:

''کھینچیں،کھولیں،پہنچیں'' وغیرہ ہم قافیہ الفاظ اور کلمات کا زیر و بم،''تھرتھرائے گی،تھرتھرانے والی، پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی'' وغیرہ۔قرآنی الفاظ کے اعتبار سے خود بھی ایسے ہی الفاظ کا استعمال اور وہی انداز اختیار کرنا ہی حسنِ انشاء پردازی اور کمالِ ترجمہ نگاری ہے۔

مثال نمبر۳

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّاo فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًاo فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًاo ....مِنْ كُلِّ جَانِبٍ. ۵۳

ترجمہ:''قسم ان کی کہ باقاعدہ صف باندھیں، پھر ان کی کہ جھڑک کر چلائیں، پھر ان جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں، بے شک تمہارا معبود ضرور ایک ہے، مالک آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک مشرقوں کا اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو تاروں کے سنگار سے آراستہ کیا اور نگاہ رکھنے کو ہر شیطان سرکش سے، عالمِ بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر طرف سے مار پھینک ہوتی ہے''۔

مثال نمبر۴

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِo فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ............ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِo ۵۴

ترجمہ:اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے، اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔بہت سی ڈالوں والیاں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ان میں دو چشمے بہتے ہیں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ان میں ہر میوہ دو دو قسم کا، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔اور ایسے بچھونوں پر تکیہ لگائے جن کا استر قناویز کا۔اور دونوں کے میوے اتنے جھکے ہوئے کہ نیچے سے چن لو، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ان بچھونوں پر وہ عورتیں ہیں کہ شوہر کے سوا کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتیں۔ان سے پہلے انہیں نہ چھوا کسی آدمی اور نہ جن نے، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔گویا وہ لعل (یاقوت) اور مونگا ہیں، تو اپنے رب کی کون سے نعمت جھٹلاؤ گے۔نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔اور ان کے سوا دو جنتیں اور ہیں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔نہایت سبزی سے سیاہی کی جھلک دے رہی ہیں، تو اپنے رب کی کون کسی نعمت جھٹلاؤ گے۔ان میں دو چشمے ہیں چھلکتے ہوئے، تو اپنے

رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں عورتیں ہیں، عادت کی نیک صورت کی اچھی، تو اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ حوریں ہیں خیموں میں پردہ نشین، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان سے پہلے انہیں ہاتھ نہ لگایا کس آدمی اور نہ جن نے، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے ہوئے سبز بچھونوں اور منقش خوبصورت چاندنیوں پر، تو اپنے رب کی کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ بڑی برکت والا ہے تمہارے رب کا نام جو عظمت اور بزرگی والا۔"

مثال نمبر ۴ میں جنت کی منظر کشی ہے۔ اس حسین منظر کی، جنت کے میوے، پاکدامن حوروں، لعل و یاقوت و مونگا سے ان کی تشبیہیں، ان حوروں کے حسین اور منقش بچھونوں، چھلکتے ہوئے چشموں وغیرہ کا بیان۔ بعد میں ربّ اکبر کی عظمت و بزرگی کا ذکر بیانیہ نثر کا حسین نمونہ ہے اور اس کی بہترین ترجمانی کی ہے۔ امام احمد رضا خان کی زبان میں سادگی، بیان میں روانی سب کچھ لائقِ دید و لائقِ داد ہے۔

مثال نمبر ۵:

اَلْقَارِعَةُ مَالْقَارِعَةُ٥ وَمَا اَدْرٰکَ .... مَاالْقَارِعَةُ٥ وَمَا اَدْرٰکَ مَاهِیَهْ٥ نَارٌ حَامِیَةٌ٥ ﴿۵﴾

ترجمہ: "دل دہلانے والی کیا وہ دہلانے والی؟ اور تو نے کیا جانا کیا ہے دہلانے والی؟ جس دن آدمی ہوں گے جیسے پھیلے پتنگے اور پہاڑ ہوں گے جیسے دھنکی اون۔ تو جس کی تولیں بھاری ہوئیں وہ تو من مانے عیش میں ہے اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں وہ نیچا دکھانے والی گود میں ہے اور تو نے کیا جانا کیا نیچا دکھانے والی؟ ایک آگ شعلے مارتی"۔

ملاحظہ ہو جس طرح سورہ میں ہم قافیہ الفاظ ہیں، امام موصوف نے اسی طرح ترجمہ میں بھی الفاظ کی تکرار کی ہے جیسے: دہلانی والی، دہلانے والی وغیرہ۔

مثال نمبر ۶

وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی .... وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ٥ ﴿۶﴾

ترجمہ: چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بے شک پچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔ تو یتیم پر دباؤ نہ ڈالو اور منگتا کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

اس ترجمہ میں منظر کشی بھی ہے اور روانی بھی۔ قرآنی بلاغت کے اعتبار سے امام احمد رضا خان نے بھی حسن و معنویت اور بلاغت و شگفتگی بھری ہے۔

اس آیت "وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی" کا ترجمہ لوگوں نے اس طرح کیا ہے ''اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی'' یا ''اور اللہ تعالٰی نے آپ کو (شریعت) سے بے خبر پایا تو آپ کو شریعت کا راستہ بتلادیا''۔ مگر امام احمد رضا خان نے لکھا:

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

بتایئے کیا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام معاذ اللہ بھٹکے ہوئے یا شریعت سے بے خبر ہو سکتے ہیں؟ لیکن امام احمد رضا خان نے اسے محبتِ رب کی وارفتگی بتایا ہے۔

مثال نمبر ۷:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا o وَالْقَمَرِ اِذَاتَلٰهَا o وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا o وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَاo وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا o وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا o وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰهَاo الی آخر ے

ترجمہ: سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے، اور دن کی جب اسے چمکائے، اور رات کی جب اسے چھپائے، اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم، اور زمین اور اسکے پھیلانے والے کی قسم، اور جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔

سورہ شمس میں پندرہ آیات ہیں لیکن سات آیتوں کے ترجمے پیش کئے گئے۔ منظر نگاری، صوتی حسن، ترنم، شگفتگی اور دل کشی جو قرآنی آیات میں ہیں اسی مناسبت سے امام احمد رضا خان نے ترجمہ کا حق ادا کیا ہے۔ زبان کس قدر صاف اور پاکیزہ ہے اور بیان میں کیسی روانی اور دل کشی ہے۔

یہ بیانیہ نثر کا بہت ہی اعلیٰ نمونہ ہے امام احمد رضا خان نے ترجمہ میں قرآنی بلاغت اور معنونیت نیز حسن ووقار کے اعتبار سے ان سب کو اردو میں ڈھال کر منشائے قرآنی کا آئینہ بنادیا ہے۔

متفرقات

۱۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے ترجمہ میں مترجمین نے یہ تو لکھا ہے کہ ''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے'' لیکن ''اللہ'' کا نام سب سے پہلے نہیں آیا ہے علاوہ اس کے ''کرتا ہوں'' بھی لکھا ہے ''کرتا ہوں'' میں یہ خامی ہے کہ اگر عورت پڑھے گی تو کیا وہ بھی کرتا ہوں کہے گی! لیکن امام احمد رضا خان نے اس کا ترجمہ کیا ہے ''اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا'' اس میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اللہ جل جلالہٗ کا نام پہلے آیا ہے اور اس طرح یہ ظاہر ہے کہ ''اللہ کے نام سے ہی شروع'' کہہ کر منشائے حکمِ قرآن پر قاری عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ دوم یہ کہ اس میں ''شروع کرتا ہوں'' نہیں ہے بلکہ صرف شروع ہے۔ لہٰذا اب کوئی بھی پڑھے مرد یا عورت دونوں اعتبار سے درست ہے۔

۲۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ: ترجمہ کنزالایمان ''ہم کو سیدھا راستہ چلا''

دیگر ترجمہ نگاروں نے اس کا ترجمہ کیا ہے: "ہم کو سیدھا راستہ بتا یا دکھا" لغت اور قواعد کے اعتبار سے دونوں تراجم صحیح ہیں لیکن بتا اور چلا میں بڑا فرق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعلان کر کے "الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین" ۵۸؎ یعنی "سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا بہت مہربان رحمت والا روزِ جزا کا مالک"، راستہ بتا چکا۔ اب ضرورت ہے کہ اس راستہ پر چلنے کے لئے یعنی راہِ توحید، راہِ مستقیم پر چلنے کے لئے، رب سے مدد اور توفیق مانگی جائے۔ اس اعتبار سے ترجمہ امام احمد رضا خان میں جو معنویت اور بلاغت ہے اس کا جواب نہیں۔

۳۔ اسی طرح سے "انعمت علیہم" ۵۹؎ کے لئے لکھا "جن پر تو نے احسان کیا" دیگر مترجمین نے لکھا "جن پر تو نے انعام کیا" یا فرمایا "انعام دیا۔ انعام دیا جاتا ہے کسی کے کوئی کارنامہ انجام دینے پر۔ انسان جو بھی کارنامہ انجام دیتا ہے وہ صرف اور صرف توفیق الٰہی سے لہٰذا جن پر اللہ نے فضل فرمایا اور کچھ عطا کیا گویا احسان فرمایا۔

یہاں بھی ترجمۂ امام احمد رضا میں معنویت اور بلاغت موجود ہے۔

۴۔ یاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۞ ۶۰؎

ترجمہ کنز الایمان "اے جھرمٹ مارنے والے" حضور (ﷺ) جب غار حرا سے تشریف لائے تو سردی لگ رہی تھی آپ نے فرمایا "زَمِّلُوْنِی" مجھے کپڑا اڑھاؤ آپ (ﷺ) کو کپڑا اڑھایا گیا اور آپ جھرمٹ مار کر لیٹ گئے (کتب تفاسیر میں اسی طرح سے ملتی جلتی کئی باتیں درج ہیں) جاڑے میں جب سردی زیادہ لگتی ہے تو انسان پیروں کو سکیڑ کر جھرمٹ مار کر لیٹ جاتا ہے پس امام احمد رضا خان نے بہت ہی بلیغ اور حسین ترجمہ کیا ہے۔

رب کریم نے حضور (ﷺ) کی اسی ادا کو سراہتے ہوئے فرمایا ہے "یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۞" اے جھرمٹ مارنے والے"

۵۔ ایک دوسری جگہ قرآنِ مقدس میں حضور (ﷺ) کو "یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" کہا گیا ہے جس کا ترجمہ امام احمد رضا خان نے کیا "اے بالا پوش اوڑھنے والے"

یہاں امام احمد رضا خان نے بجائے کمبل یا چادر اوڑھنے والے یا کملی والے کہنے کے "اے بالا پوش اوڑھنے والے" ترجمہ کیا ہے کملی والے کہنے سے بڑا عجیب تصور ابھرتا ہے اور اس میں سرکار دو عالم (ﷺ) کی شان کے لائق کوئی بات نہیں! لیکن بالا پوش اوڑھنے والے" میں بڑی بلاغت ہے۔ ظاہر ہے کہ گرم چادر یا کمبل اوڑھا ہوگا لیکن "بالا پوش" کہہ دینے میں ایک طرح کا استفہام بھی ہے اور یہ بھی کہ وہ "بالا پوش" کس قدر قیمتی یا خوبصورت رہا ہوگا جو سید عالم (ﷺ) کے جسم منور و معطر کی زینت بنا ہوگا۔ پس حضور سرکار دو جہاں (ﷺ) کی شان کے مطابق قاری اس کا اندازہ لگاتے رہیں اور ادائے رسول (ﷺ) پر قربان ہوتے رہیں۔ اور کلمہ گویانِ اسلام کیوں نہ سرکار کی ادا پر فدا ہوں جب کہ خود ان کا اور ہم سب کا خالق

ہی ان کی ہر ہر ادا کو محبوب رکھتا ہے۔

امام احمد رضا خان کے ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' کو جس جہت سے بھی دیکھئے اور پرکھئے ہر جہت حسین و بلیغ اور پروقار ہے۔ ایجاز و اختصار، روزہ مرہ کا اہتمام، محاورات کا استعمال، لغات سے الفاظ کا انتخاب، پھر اس کا برمحل استعمال ، ذہانت، فطانت، معنویت وادبیت، فصاحت و بلاغت، شان وعلویت الٰہی کی پاسداری، عصمت و عظمتِ نبوت و رسالت کی نگہداری، غرض ہر اعتبار سے اور ہر جہت سے اس میں بھی وہ شان جھلکتی ہے جو اصل قرآن کی متن میں ہے۔

لَارَیْبَ فِیْہِ

یعنی کوئی شک کی جگہ نہیں!

امام احمد رضا خان کی انشاء پردازی

فتاویٰ رضویہ کے آئینے میں

امام احمد رضا خان کا مجموعہ فتاویٰ ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' جو فتاویٰ رضویہ کے نام سے مشہور ہے جسے ۱۲۸۶ھ تا ۱۳۴۰ھ مسلسل ۵۵ سالوں میں لکھا گیا ہے، ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے اور ان جلدوں کے صفحات کی مجموعی تعداد بڑے سائز پر تقریباً ۱۲۰۰۰ صفحات ہیں جو ڈیمائی سائز پر ۲۰، ۲۲ ہزار کے قریب بنیں گے۔ اس مجموعے کی تکمیل کو حضور (ﷺ) کی عطا سمجھتے ہوئے نام کا انتخاب بھی کچھ ایسا ہی کیا ہے۔ جیسا کہ آپ خود رقم طراز ہیں:

''اور میں نے اس کا نام العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ رکھا، اللہ اسے اپنی رضا کا وسیلہ بنائے اور دونوں جہاں میں مجھے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے،'' [۱]

فتاوی رضویہ کی ۱۱ جلدوں کو جدید انداز میں ابواب، حواشی اور تخریجات کے ساتھ اشاعت حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی قادری رضوی علیہ الرحمۃ نے رضا فاؤنڈیشن لاہور، پاکستان سے شروع کی ان کی حیات میں ۲۵ جلدین شائع ہوچکی تھیں۔ ان کے صاحبزادے مولانا عبدالمصطفیٰ ہزاروی قادری صاحب اور مولانا عبدالستار سعیدی صاحب نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ اس کی الحمدللہ ۳۰ جلدیں عنوانات اور اشاریئے کی ۲ جلدوں کے علاوہ اشاعت پذیر ہوگئیں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہزار ہا فتاوئے اور مسائل ہیں جنہیں علماء، مشائخ کے علاوہ کثیر تعداد میں وکلاء، جج صاحبان، پروفیسر اور دانشور حضرات نے بھی بطور استفتاء بھیجے تھے۔ یہ استفتاء صرف ہندوستان کے ہر کونے اور علاقے سے نہیں آئے بلکہ عالمِ اسلام کے بیشتر ممالک سے مثلاً پاکستان، کشمیر، برما، بھوٹان، نیپال، سیلون، انگلینڈ، چین، افغانستان، عراق، حجاز، امریکہ، عرب، افریقہ، پرتگال جیسے دور دراز علاقوں سے بھی استفتاء بریلی پہنچتے تھے اور آپ ان مسائل کو بحسن وخوبی حل فرما کر واپس کردیا کرتے تھے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہزار ہا فتاوے اور رسائل ہیں جن میں امام احمد رضا خان کی مختلف امور اور مسائل میں اپنی تحقیقات بھی ہیں۔ علاوہ ازیں امام احمد رضا خان نے اس میں متعدد عقلی علوم وفنون جیسے ریاضی، سائنس، ہیئات، نجوم، کامرس، عمرانیات، معاشیات وغیرہم کا بھی استعمال کیا ہے اور ان علوم میں امام احمد رضا خان کی اپنی تحقیقات اور نظریات بھی ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ موصوف نے عقلی علوم وفنون کو علم فقہ اور دین کا خادم بنادیا ہے۔

امام احمد رضا خان بنیادی طور پر فقیہ تھے انہوں نے جو بھی فتاوے لکھے ہیں ان میں اور نثر نگاروں کی طرح نہ تو عبارت میں کاٹ چھانٹ کی ہے نہ ان میں حسن اور دل کشی لانے کے لئے بار بار نوک و پلک سنواری ہے البتہ فقہی جزئیات کی چھان پھٹک ضرور کی ہے۔

امام احمد رضا خان نے جتنا کچھ لکھا ہے اسکے لئے اتنا وقت بھی کہاں تھا کہ وہ جملوں اور عبارتوں پر بار بار غور کرتے اوران میں ادبی حسن بھرنے کے لئے تبدیلی لاتے۔وہ تو چار چار سو، پانچ پانچ سو موصول شدہ استفتاء کا جواب بیک وقت دودو، تین تین آدمیوں کو الگ الگ موضوعات پر املاء کراتے تھے اور جہاں تک تعلق ہے ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' کا ترجمہ تو گویا آپ نے چلتے پھرتے کیا ہے لیکن کیا مجال کہ جملوں میں کہیں بے ربطی ہو یا عبارت میں کہیں جھول ہو۔امام احمد رضا خاں جیسا قلم برداشتہ لکھنے والا اردو ادب میں کوئی نظر نہیں آتا۔

فتاویٰ نویسی کا اسلوب یقیناً ایک جداگانہ اسلوب ہے۔فقہی اسلوب میں انشاء پردازی کا سوال نہیں اٹھتا اور نہ ہی ادبی زبان میں فتویٰ لکھا جاسکتا ہے۔مسائل شرعیہ میں فارسی اور عربی الفاظ ناگزیر ہیں۔لہٰذا شاید کسی کو شبہ ہو کہ ان کی نثر عربی وفارسی کے چنگل سے آزاد نہیں ہوتی تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ دینی مسائل خالص اردو، جس میں عربی وفارسی کے الفاظ یا تراکیب نہ ہوں، لکھے ہی نہیں جاسکتے۔اور چونکہ امام احمد رضا خان فارسی اور عربی کے جید عالم تھے لہٰذا وہ بخوبی واقف تھے کہ کس مقام پر عربی کا لفظ زیادہ مناسب ہے اور کس جگہ پر فارسی یا اردو کا اسلئے انہوں نے جہاں جس لفظ کو مناسب سمجھا ہے اس کو استعمال کیا ہے اور فصاحت کا اقتضاء بھی یہی ہے۔

امام احمد رضا خان نے فتاویٰ رضویہ میں تو فنی نثر لکھی ہے جس میں استدلال، قطعیت اور ایجاز ہے اور وہ ایہام کے عیب سے پاک ہے۔آپ نے لفظوں سے کھیل کر اورانہیں بھول بھلیاں بنا کر اپنی نثر کو معمہ نہیں بنایا ہے۔ ہر بات واضح اور صاف ہے اوراچھی نثر کی یہی خوبی ہے۔اس میں تسلسل ہے، روانی ہے اور حسب ضرورت آنے والے مشکل الفاظ کے علاوہ کوئی چیز تفہیم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔

ا۔غسل کے سلسلے میں مسئلہ بیان کرتے ہیں۔تفہیم اور ایجاز کا انداز ملاحظہ کیجئے:

''آج کل بہت بے علم اس ''مضمضہ'' کے معنی صرف کُلّی کے سمجھتے ہیں، کچھ پانی منہ میں لے کر اگل دیتے ہیں کہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارہ تک نہیں پہنچتا، یوں غسل نہیں اترتا، نہ اس غسل سے نماز ہوسکے، نہ مسجد میں جانا جائز ہو، بلکہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے، گالوں کی تہہ میں، دانتوں کی جڑ میں، دانتوں کی کھڑکیوں میں، حلق کے کنارہ تک ہر پرزے پر پانی بہے یہاں تک کہ اگر کوئی سخت چیز کہ پانی کے بہنے کو روکے گی دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں وغیرہ میں حائل ہو تو لازم ہے کہ اسے جدا کرکے کلی کرے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ہاں اگر اس کے جدا کرنے میں حرج وضرر واذیت ہو جس طرح پانوں کی کثرت سے جڑوں میں چونا جم کر متحجر ہوجاتا ہے کہ جب تک زیادہ ہو کر آپ ہی جگہ نہ چھوڑ دے چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا یا عورتوں کے دانتوں میں مسّی کی ریخیں جم جاتی ہیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مضرت کا اندیشہ ہے، تو جب تک یہ حالت رہے گی اس قدر کی معافی ہوگی۔''۶۲

۲۔امام احمد رضا نے بات کو جگہ جگہ طول نہیں دیا ہے گو وہ مسئلہ کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتے تھے ،مگر اولاً بات کو اختصار کے ساتھ ختم کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

مثال (الف): مزارات اولیاء پر تلاوتِ قرآن پاک اور دینی تقدیسی محافل کے انعقاد اور اس کے ایصالِ ثواب نیز عورتوں کے قبور پر جانے کے سلسلے میں بڑی قطعیت کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''اولیاء کرام کے مزارات پر ہر سال مسلمانوں کا جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت اور مجالس کرنا اور اس کا ثواب ارواح طیبہ کو پہنچانا جائز ہے جب کہ منکرات شرعیہ مثل رقص ومزامیر وغیرہا سے خالی ہو عورتوں کو قبور پر ویسے جانا نہ چاہئے نہ کہ مجمع میں بے حجابانہ اور تماشے کا میلا کرنا اور فونو وغیرہ بجوانا یہ سب گناہ و ناجائز ہیں جو شخص ایسی باتوں کا مرتکب ہو اسے امام نہ بنایا جائے واللہ تعالیٰ اعلم۔''۶۳

(ب) محرم میں مکانوں پر سواری بٹھانے اور ایسا فعل کرنے والے امام کی امامت کے بارے میں جواب لکھتے ہیں

:

''سواری مذکور بٹھانا اور اس سے منتیں مانگنا بدعتِ جہال ہے کہ فسقِ عقیدہ یا فسقِ عمل سے خالی نہیں اور اہلِ بدعت وفساق کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے۔۶۴ واللہ تعالیٰ اعلم''

(ج) عورتوں کے مزاراتِ اولیاء نیز قبروں پر فاتحہ وغیرہ پڑھنے نیز مجاوری کرنے کی بابت جواب رقم فرماتے ہیں:

''عورتوں کو زیارت قبور منع ہے حدیث میں ہے ''لعن اللہ زائرات القبور'' اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں مجاور مردوں کو ہونا چاہئے عورت مجاور بن کر بیٹھنے اور آنے جانے والوں سے اختلاط کرے یہ سخت بد ہے۔عورت کو گوشہ نشینی کا حکم ہے نہ یوں مردوں کے ساتھ اختلاط کا جس میں بعض اوقات مردوں کے ساتھ اسے تنہائی بھی ہوگی اور یہ حرام ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم''۶۵

(د) مزار کے طواف اور بوسہ کا مسئلہ بیان کرتے ہیں:

''مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے۔مزار کو بوسہ نہ دینا چاہئے ،علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع شریف میں ممانعت نہ آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہوسکتی قال اللہ تعالیٰ ''ان الحکم الا اللہ''۔ ہاتھ باندھے الٹے پاؤں آنا ایک طرز ادب ہے اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں ہاں! اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم''۶۶

مندرجہ بالا چاروں مثالوں میں فصاحت کے ہوتے ہوئے بھی ایجاز وقطعیت ہے، ساتھ ہی زبان و بیان میں

سادگی اور روانی بھی ہے۔معمولی سے معمولی اردو خواندہ بھی ان مسائل کو باآسانی سمجھ سکتا ہے۔

۳۔ایک مثال خاص وضاحت کے سلسلے میں دیکھئے:

ایک سوال آیا تھا کہ زید کی ران میں پھوڑا ہے یا کوئی اور بیماری ہے۔ڈاکٹر کہتا ہے پانی یہاں نقصان کرے گا مگر صرف اسی جگہ پر مضر ہے اور بدن پر پانی ڈال سکتا ہے۔اس حالت میں وضو یا غسل کے لئے تیمم درست ہے یا نہیں؟

مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے اور عادت کے مطابق حوالے شامل کرنے سے تو جواب کچھ لمبا ہو گیا مگر نفس مسئلہ کا جواب اس قدر ہے۔

الجواب:''صورت مسؤلہ میں غسل یا وضو کسی کے لئے تیمم جائز نہیں وضو کے لئے تو ناجائز ہونا ظاہر کہ ران کا وضو سے کوئی علاقہ نہیں اور غسل کے لئے یوں ناروا کہ اکثر بدن پر پانی ڈال سکتا ہے لہٰذا وضو تو بلاشبہہ تمام و کمال کرے اور غسل کی حاجت ہو تو مضرت اگر صرف ٹھنڈا پانی کرتا ہے گرم نہ کرے گا اور اسے گرم پر قدرت ہے تو بے شک پورا غسل کرے،اتنی جگہ کو گرم پانی سے دھوئے باقی بدن گرم یا سرد جیسے سے چاہے اور اگر ہر طرح کا پانی مضر ہے یا اگر مضر تو نہ ہوگا مگر اسے اس پر قدرت نہیں تو ضرر کی جگہ بچا کر باقی بدن دھوئے اور اس موضع پر مسح کرلے اور اگر وہاں مسح بھی نقصان دے مگر وہ دوا یا پٹی کے حائل سے پانی کی ایک دھار بہا دینی مضر نہ ہوئی تو وہاں اس حائل پر ہی بہادے باقی بدن بدستور دھوئے،اور اگر حائل پر بھی پانی بہانا مضر ہو تو دوا یا پٹی پر مسح کرے،اگر اس سے بھی مضرت تو اتنی جگہ خالی چھوڑ دے جب وہ ضرر دفع ہو تو جتنی بات پر قدرت ملتی جائے بجالاتا جائے۔'' ٦٧

امام احمد رضا خان نے عام مفتی صاحبان کی طرح محض دو چار جملوں میں سر کا بوجھ اتارنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ مسئلے کو خواب واضح کر دیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ایجاز و اختصار کا کمال بھی دکھایا۔ہر لفظ ضروری ہو گیا ہے کہ کہیں کوئی لفظ زائد یا بھرتی کا نہیں ہے۔پورے فتاویٰ رضویہ میں ہر جگہ اس طرح کی خوبی موجود ہے۔

اب ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے:

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے دیوار مسجد سے تیمّم کو مکرہ لکھا تھا وہ شاید یہ گمان کرتے تھے کہ تیمّم کرنے سے دیوارِ مسجد میں تصرف ہو جائے گا۔امام احمد رضا خان صاحب نے اس گمان و خیال کا وضاحت کے ساتھ جائزہ لیا اور تحریر فرمایا:

''تیمّم جو کچھ تصرف ہے اپنے چہرہ و دست پر ہی۔دیوار سے صرف چھونے ہاتھ لگانے کا تعلق ہو گا یہ دیوار میں کوئی تصرف نہ کہلائے گا ورنہ مکروہ نہیں بلکہ حرام ہوتا اور نہ صرف دیوارِ مسجد بلکہ دیوارِ ہر وقف،بلکہ دیوارِ یتیم،بلکہ ہر نابالغ،بلکہ بے اذنِ مالک ہر دیوارِ مملوک سے تیمّم کرنا بلکہ اس پر ہاتھ لگانا یا انگلی سے چھونا یا دیوارِ مسجد سے پیٹھ لگانا سب حرام ہوتا اور اس کا قائل نہ ہوگا مگر سخت جاہل۔ہاتھ لگانے سے دیوار کا کچھ خرچ نہیں ہوتا۔چراغ میں تیل بتی کا خرچ ہے پھر بھی مسجد کے چراغ

سے کہ مسجد کے لئے روشن ہے خط پڑھنا یا کتاب دیکھنا یا سبق پڑھنا پڑھانا بلاشبہ روا ہے۔'' ۶۸

۵۔امام احمد رضا خان کے یہاں سچائی اور اصلیت ہے وہ فتوے کے معاملے میں سنی سنائی باتوں کو نہیں مانتے بلکہ وہ تحقیق کرتے ہیں اور جہاں کسی طرح کی تحقیق نہیں ملتی اس کے بارے میں صاف لکھ دیتے ہیں کہ فقیر کو نہیں معلوم۔ یہ ''نہیں معلوم'' ان کے علم یا استحضار کی کمی نہیں ہے بلکہ جب بات قرآن وسنت اور اجماع سے پایۂ تحقیق کو نہیں پہونچتی تو ظاہر ہے یہی کہنا سچائی بھی اور اچھائی بھی کہ ''نہیں معلوم''۔

اب ایک مسئلہ اور اس کا جواب دیکھئے:

مسئلہ:'' کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ زید کہتا ہے کہ وضو کے پانی کے قطرے کپڑے یا کسی چیز پر گریں گے تو وہ ناپاک ہو جائے گا اور اگر جماعت ختم ہونے پر ہے اس صورت میں وہ بلا ہاتھ پاؤں پونچھے شریکِ جماعت ہو گیا تو جو قطرے اس کی ریش وغیرہ سے گریں گے اس سے رحمت کے فرشتے پیدا ہوں گے۔

حضور کا اس بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ بینوا توجروا!

الجواب: ان قطروں سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا، مگر مسجد میں ان کا گرانا جائز نہیں۔ بدن اتنا پونچھ کر کہ قطرے نہ گریں مسجد میں داخل ہو اور ان قطروں سے رحمت کے فرشتے بننا مجھے معلوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم'' ۶۹

۶۔امام احمد رضا خان نے فتاویٰ رضویہ میں سائنس (طبعیات، کیمیا وغیرہ) سے بھی کام لیا ہے اب ذرا عقلی علوم میں یا معقولات میں اسلوب ملاحظہ کیجئے: سراب کی بابت مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب برف کے یہ باریک باریک متصل اجزاء کہ شفاف ہیں نظر کی شعاعوں کو انہوں نے واپس دیا۔ پلٹتی شعاعوں کی کرنیں ان پر چمکیں اور دھوپ کی سی حالت پیدا کی جیسے پانی یا آئینے پر آفتاب چمکے اس کا عکس دیوار پر کیسا سفید براق نظر آتا ہے۔ زمینِ شور میں دھوپ کی شدت میں دور سے سراب نظر آنے کا بھی یہی باعث ہے خوب چمکتا جنبش کرتا پانی دکھائی دیتا ہے کہ اس زمین میں اجزائے صیقلہ، شفافہ دور دور تک پھیلے ہوتے ہیں۔ نگاہ کی شعاعیں ان پر پڑ کر واپس ہوئیں اور شعاع کا قاعدہ ہے کہ واپسی میں لرزتی ہے جیسے آئینے پر آفتاب چمکے دیوار پر اس کا عکس جھل جھل کرتا نظر آتا ہے اور شعاعوں کے زاویئے یہاں چھوٹے تھے کہ ان کی ساقیں طویل ہیں کہ سراب دور ہی سے متخیل ہوتا ہے۔'' ۷۰

یہاں بھی وضاحت واستدلال کے ساتھ ساتھ ایجاز بھی ہے اور زبان وبیان میں سادگی وروانی ہے۔

''زمینِ شور'' اجزائے صیقلہ، شفافہ'' وغیرہ کی تراکیب بھی خوب ہیں۔

۷۔امام احمد رضا خان نے نثرِ قدیم کی ایک قسم مقفّیٰ کے جلوے بھی دکھائے ہیں اس طرح کی نثر کے لئے نسبتاً علم اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ قلم برداشتہ مقفّیٰ نثر کے چند نمونے دیکھئے۔

(الف)۔''تحریک مذکور صواب سے بیگانہ، فقاہت سے برکرانہ محض بے بنیاد، کورانہ ہے''[1]

(ب)۔''نہ ایسی نقلِ مجہول کسی طرح قابلِ قبول، نہ ایسا ناقل التفات کے قابل، نہ اس پر شرع سے کوئی دلیل اور قولِ بے دلیل مردود وذلیل۔''[2]

(ج)۔''نہیں! کیسی کتاب، کس کی کتاب، اس کی کیا عبارت، کیا مفاد، ناقل نے کیا سمجھا، کیا مراد، خود ناقل کو بھی جزم نہ اعتماد کہ طرزِ بیان سے تبری عہد مستفاد''[3]

(د)۔''الحمدللہ آفتابِ عالمتاب، حق وصواب، بے نقاب وحجاب، شک وارتیاب جلوہ فرمائے منظرِ احباب ہوا۔اب کیا حاجت کہ حشویاتِ زائدہ لغویاتِ بے فائدہ کے ردوابطال میں تضیعِ وقت کیجئے''[4]

یہ امام احمد رضا خان کے قلم کا کمال ہے کہ فقہ وفتویٰ نویسی میں بھی جہاں موقع پاتے ہیں حسنِ انشاء پردازی اور شانِ ادبیت کے جلوے دکھا ہی دیتے ہیں۔

الف، تا۔د۔کی مقفّٰی عبارتوں میں ہم قافیہ لفظوں نے صوتی حسن برپا کیا ہے۔

ب۔میں ''قابلِ قبول'' استعمال کر کے صنعتِ اشتقاق کا جلوہ بکھیرا ہے۔

ج۔میں کتاب، کتاب اور ناقل ناقل کی تکرار نے لطف پیدا کر دیا ہے۔

د۔صوتی حسن وآہنگ کا خوب صورت نمونہ ہے۔

طنز ومزاح کا جلوہ

۸۔امام احمد رضا خان کی نثر میں روانی، جدّتِ طبع اور طنز وظرافت کے عناصر بھی ملتے ہیں۔آریوں کا عقیدہ ہے کہ ایشور ہر جا رَمَا ہوا ہے اور ہر شخص کے آگے دس انگل کے فاصلے پر موجود ہے دیکھئے اس خیال کی کیسا مزہ لے کر دھجیاں اڑاتے ہیں:

''دس انگل کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے تو ہر جگہ کب ہوا؟ پھر دو آدمی آمنے سامنے دس انگل کے فاصلے سے ہوں تو ان میں ہر ایک ایشور کی جگہ میں شریک ہوا اور دو انگل کے فاصلے پر ہوں تو ایشور آٹھ انگل ہر ایک کے پیٹ میں گھسا ہوا ٹھہرا............ جب ہر جگہ رما ہوا ہے فرض کرو ایک شخص نے دوسرے کے جوتا مارا تو یہ فضا جس میں جوتا چل کر اس کے بدن تک گیا اس میں بھی ایشور تھا یا نہیں؟ نہ کیونکر ہوگا کہ وہ سب جگہ ہے اور جب یہاں بھی تھا تو جوتا آتے ہوئے دیکھ کر ہٹ گیا یا جوتا اس کے اندر ہوتا ہوا گزر گیا، ہٹ تو سکتا نہیں ورنہ ہر جگہ کب رہا یہ جگہ خالی ہو جائے گی، ضرور جوتا اس میں ہو کر گزرا۔عجیب ایشور ہے کہ جوتے سے پھٹ گیا۔[5]

یہ طنز ومزاح کا عمدہ نمونہ ہے اور ردِ شرک بھی۔اس مقام پر بھی استدلال اور منطقی انداز برقرار ہے۔

عام طور سے توضیحی نثر میں شانِ ادبیت، دل کشی ورنگینی اور شگفتگی یا شان وشکوہ وغیرہ مقصود ہوتے ہیں لیکن نثر نگار اگر صاحب قلم اور فطری انشاء پرداز ہے تو وہ یہاں بھی انشاء پردازی کے جلوے دکھا ہی دیتا ہے۔امام احمد رضا خان نے فقہ وفتوے کے تعلق سے توضیحی نثر کے برتاؤ سے زور قلم دکھایا ہے اور جیسا کہ نثر مقفّٰی کے ذیل میں چند نمونے پیش کئے گئے۔وہاں دل کشی بھی ہے صوتی حسن بھی ہے اور بلاغت بھی۔

توضیحی نثر کے علاوہ بقیہ تین نثری اقسام۔بیانیہ، تاثراتی اور انانیّتی ہیں۔فقہی اسلوب میں انانیتی اور مبالغہ کا گزر ہی نہیں اور ابطالِ باطل میں بیان کا جو جوش وزور نظر آتا ہے اور مصنف اپنی ذات کے حوالے سے کوئی ایسی بات ظاہر کرتا ہے جس سے انانیت یا EGO کا تاثر ملتا ہو تو اسے صرف تحدیثِ نعمت کا اظہار کہیں گے۔

بہر کیف فتاویٰ رضویہ سے اب چند مقامات وہ پیش کئے جارہے ہیں جہاں انشاء پردازی کا حسن خوب خوب جھلکتا نظر آتا ہے۔

ا۔امام احمد رضا خان نے فتاوی رضویہ میں مختلف قسم کے پانیوں کے احکام ذکر کئے ہیں:

''آبِ زمزم'' کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے ساتھ استنجا کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ ایک مقدس پانی ہے اس فقہی حکم کے بیان کے بعد انہیں خیال آیا کہ کہیں قارئین یہ نہ سمجھیں کہ ''آبِ زمزم'' ہی ہر پانی سے زیادہ افضل اور مقدس ہے کیونکہ ایک پانی ایسا بھی ہے جو نہ صرف ''آبِ زمزم'' بلکہ آبِ کوثر سے بھی افضل ہے اس پانی کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''سب سے اعلیٰ سب سے افضل، دونوں جہانوں کے سب پانیوں سے افضل، زم زم سے افضل، کوثر سے افضل وہ مبارک پانی ہے جو بارہا براہِ اعجاز حضورِ انور سید عالم (ﷺ) کی انگشتانِ مبارک سے دریا کی طرح بہا اور ہزاروں نے پیا اور وضو کیا۔علماء فرماتے ہیں کہ وہ پانی زمزم وکوثر سے افضل ہے مگر اب کہاں وہ نصیب؟'' ۶؎

مندرجہ بالا اقتباس میں ہلکا ہلکا رنگ خطابت بھی ہے اور بظاہر مبالغہ بھی۔جہاں تک تعلق ہے خطابت کا تو وہ فی نفسہٖ نہ ہی اچھی شئی ہے نہ ہی بری بلکہ اسلوب بیان میں قلمکار کامیاب ہے تو یہی خطابت قابل ستائش ہے۔

امام احمد رضا خان اپنے جذبات وتاثرات کی ادائیگی میں کامیاب ہیں اور انہوں نے جو کچھ کہا ہے تقاضائے عشق کے سبب کہا ہے لیکن اس تقاضائے عشق میں خلوص بھی ہے اور اصلیت بھی جو مبالغہ سے بری ہے اور اسی صداقت وخلوص نے عبارت میں دل کشی پیدا کردی ہے۔عبارت تصنع سے پاک، سادگی مگر پرکاری اور روانی وشگفتگی کا نمونہ ہے۔

۲۔فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا خان نے حج وزیارت کے بیان میں انشاء پردازی کے اچھے نمونے پیش فرمائے ہیں۔

آداب زیارت کی نصیحتوں کے باب میں بقیع وقبا وغیرہ کے مزارات کا ذکر فرمانے کے بعد لکھتے:

''بقیع واُحد کی زیارت سنت ہے۔ مسجد قبا کی دو رکعت کی سنت کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے اور چاہو تو یہیں حاضر رہو۔ سیدی ابن ابی جمرہ قدس سرہ جب حاضرِ حضور علیہ السلام (روضۂ اقدس) ہوتے آٹھویں پہر برابر حضور میں کھڑے رہتے۔ ایک دن بقیع وغیرہ کی زیارت کا خیال آیا پھر فرمایا یہ ہے اللہ کا دروازہ بھیک مانگنے والوں کے لئے کھلا ہے اسے چھوڑ کر کہاں جائیں۔

سرایں جا، سجدہ ایں جا، بندگی ایں جاء، قرار ایں جا ۷ے

اس اقتباس میں شعری فضا کا کتنا خوبصورت التزام واہتمام فرمایا ہے امام موصوف نے۔

۳۔ حضور (علیہ السلام) کے مزار اقدس کی حاضری کے آداب بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''زیارتِ اقدس قریب بواجب ہے۔ بہت لوگ دوست بن کر طرح طرح ڈراتے ہیں، راہ میں خطرہ ہے وہاں بیماری ہے۔ خبردار! کسی کی نہ سنو اور ہرگز محرومی کا داغ لے کر نہ پلٹو۔ جان ایک دن جانی ضرور ہے، اس سے کیا بہتر کہ ان کی راہ میں جائے اور تجربہ ہے کہ جو ان کا دامن تھام لیتا ہے اسے اپنے سایہ میں بآرام لے جاتے ہیں۔ کیل کا کھٹکا نہیں ہوتا والحمدللہ۔ حاضری میں خاص زیارتِ اقدس کی نیت کرو یہاں تک کہ امام ابن الہمام فرماتے ہیں اس بار مسجد شریف کی بھی نیت نہ کریں۔

راستہ بھر درود وذکر شریف میں ڈوب جاؤ جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ کہ پیادہ ہو لو روتے، سر جھکاتے، آنکھیں نیچی کئے اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ ؎

جائے سراست ایں کہ تو پامی نہی
پائے نہ بینی کہ کجامی نہی
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سرکار موقع ہے او جانے والے

جب قبۂ انور پر نگاہ پڑے درود وسلام کی کثرت کرو۔

جب شہر اقدس تک پہونچو جلال وجمالِ محبوب (علیہ السلام) کے تصور میں غرق ہو جاؤ۔'' ۸ے

یہ بیانیہ نثر کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس میں شعریت بھی ہے اور شعری فضا کا اہتمام بھی زبان کی شگفتگی بیان کی دل کشی اور روانی اور ان سب پر مستزاد ہر ہر حرف میں جوہرِ عشق وعقیدت کی کارفرمائی نے نثر کو متحرک بنا دیا ہے۔

امام احمد رضا خان نے فتاویٰ نویسی کے میدان میں جہاں فقہ وفتوے کے فطری اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے

وضاحت، قطعیت، استدلال، ترتیب اور بلاغت سے پُر توضیحی نثر کا جلوہ دکھایا ہے وہیں آپ کو تنقیح واستنباط کے بعد جہاں کسی ایسے مسئلہ کا بیان کا موقع ملا ہے جس کا تعلق نبی کونین (ﷺ) سے ہو تو وہاں آپ کے خامۂ زرنگار نے شانِ ادبیت اور حسنِ انشاء کے جلوے بھی دکھائے ہیں۔

امام احمد رضا خان کی انشاء پردزی

مکتوبات کے آئینے میں

ادب میں مکتوب نگاری ایک ایسا فن ہے جس کے توسط سے انسان کی چھپی ہوئی شخصیت اوراس کے ذہن کو پڑھا جاسکتا ہے، خصوصاً مشاہیر کے خطوط کو پڑھ کران کا مذاق، مزاج، رجحان، سنجیدگی، متانت، ظرافت، ثقاہت، خوش مزاجی، شگفتہ طبعی، برہمی، غضبنا کی کے علاوہ دوسرے احساسات وجذبات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ کسی فرد کو دیکھے بغیر خط کی تحریر سے اس کی عادتوں، خصلتوں اور میلانِ طبع سے واقف ہوا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکتوب نگار بے تکلف ہوتا ہے اس وقت اسے یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس کی یہ تحریر منظر عام پر بھی آسکتی ہے۔ اس کو اطمینان ہوتا ہے کہ یہ نجی تحریریں جو اپنے کسی عزیز یا دوست کو لکھی جارہی ہیں وہ ان کے محافظ اور امین ہوں گے۔ لہٰذا مکتوبات میں تمام جذباتی مدوجزر پورے طور پر آشکار اہو جاتے ہیں۔ بقول پروفیسر رشید احمد صدیقی:

''خطوط کا معاملہ عشق ومحبت کا ہے جس طور پر محبت ہوجاتی ہے کی نہیں جاتی، اسی طور پر خط بھی لکھ جاتا ہے، لکھا نہیں جاتا، محبت کے دیوتا کی طرح خط کا دیوتا بھی اندھا ہوتا ہے۔ ۷۹

فاضل نقاد کی رائے میں خط لکھنے کا کوئی قاعدہ یا طریقہ نہیں ہوتا۔ جس طرح چاہے اس کی ابتداء کی جائے اور جہاں چاہیں اختتام، شرط یہ ہے کہ لکھنا آئے۔ خط اگر مختصر لکھنا چاہیں تو ایک جملہ میں ہوسکتا ہے اور اگر پھیلانے پر آمادہ ہوں تو دفتر کے دفتر سیاہ کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اچھے خط کی پہچان یہ ہے کہ نہ زیادہ مختصر ہو اور نہ ہی اتنی وسعت دی جائے کہ صفحات کے صفحات استعمال کئے جارہے ہیں بلکہ میانہ روی اس کا حسن ہے۔ موضوع کا معاملہ ایسا ہے کہ کسی مخصوص دائرے میں محدود نہیں لیکن گفتگو کی طرح اس میں بھی غیر ضروری باتیں نہیں ہوتیں اور نہ زیادہ پھیلاؤ کی گنجائش ہے۔ اردو کے صاحب طرز انشاء پرداز اور بلند پایہ نقاد پروفیسر خورشید الاسلام نے خط لکھنے کو ایک ایسے فن سے تعبیر کیا ہے جس کے لئے صرف قلم اور کاغذ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ خط لکھنے کے لئے نہ کوئی ضابطہ ہے اور نہ کوئی اصول نہ اس کا کوئی خاص مزاج اور نہ ہی موضوع۔ وہ کہتے ہیں:

''ذہن میں کوئی خیال ہو یا نہ ہو خط لکھا جاسکتا ہے۔ جس طرح بات چیت کے لئے کسی موضوع کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ دل چسپ ہوتا ہے اسی طرح خط میں نہ اصول کی ضرورت ہے نہ خیال کی اور نہ موضوع کی، زندگی اپنی راہیں خود بنالیتی ہے۔ خط اپنی باتیں خود پیدا کرلیتا ہے۔ زندگی کا نہ آغاز نہ انجام، بس ایک بہاؤ ہے ایک روانی ہے ایک اپج ہے۔ خط میں نہ ابتداء نہ انتہا، نہ اوسط نہ تکمیل، نہ تشبیب نہ دعائیہ، گریز ہی گریز ہے۔'' ۸۰

مذکورہ قول کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مکتوب نگاری کے لئے غور وفکر، تلاش وتجسس بنیادی چیز نہیں اور نہ ہی اس کے لئے سوچ بچار کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ مکتوب الیھم کی شخصیت اور حیثیت اور جواب طلب امور کی نوعیت کے مطابق اسی انداز واسلوب میں مکتوب نگاری کی جائے جس ترکیب وروش سے بالمشافہ گفتگو ہوا کرتی ہے۔ جہاں تک مکتوب کی زبان کا سوال ہے، جس طرح کی زبان چاہے استعمال کر سکتے ہیں مشکل، سخت، مقفیٰ، مسجع، عالمانہ یا سادہ رواں دواں لیکن گفتگو کی زبان کو مقدم رکھنا چاہئے۔ کتاب یا مقالے کی زبان سے مکتوب میں بے لطفی اور بے کیفی پیدا ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے بھی مکتوب کے لئے عام فہم سہل، سادہ زبان کے استعمال کی حمایت کی ہے ، کہتے ہیں:

''ادب میں سیکڑوں دل کشیاں ہیں، اسکی بے شمار راہیں اور ان گنت گھاتیں ہیں لیکن خطوں میں جو جادو ہے (بشرطیکہ خط لکھنا آتا ہو) وہ اس کی کسی ادا میں نہیں۔ نظم ہو، ناول ہو، ڈرامہ ہو یا کوئی مضمون ہو غرض ادب کی تمام اصناف میں صنعت گری کرنی پڑتی ہے اور صنعت گری کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ بناوٹ کی باتیں بہت جلد پرانی اور بوسیدہ ہوجاتی ہیں۔ صرف سادگی ہی ایسا حسن ہے جسے کسی حال اور کسی زمانے میں زوال نہیں بشرطیکہ اس میں صداقت ہو اور ہم میں سے کون ہے جس کے دل میں سچ کی چاہ نہیں۔'' ۸۱

مکاتیب کے معیار کا انحصار مکتوب نگار کی اپنی علمی لیاقت پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ خط کا مزاج مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلقات کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ بے تکلف دوستوں کے خطوں میں اپنائیت کی فضا اور سچائی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ان پر کسی قسم کا حجاب نہیں ہوتا۔ بہت سے مکتوب ادب کے قلم رو میں داخل ہوکر ادب کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ان میں ادبی چاشنی بھی ہوتی ہے، لطافت بھی، نزاکت بھی اور جیتی جاگتی زندگی کی جھلک بھی ان میں سادگی بھی ہوتی ہے اور پرکاری بھی وہ انفرادی بھی ہوتے ہیں اور اجتماعی بھی۔

مکتوب نویسی کی ابتداء سب سے پہلے کس خوش نصیب شخص نے کی اور وہ کون خوش قسمت انسان تھا جس کو پہلا مکتوب ملا، یہ معاملہ اب تک تشنۂ تحقیق ہے البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ مکتوب نویسی کا آغاز اس زمانے سے ہوگیا ہوگا جب انسان نے رسم الخط کا ایجاد کیا اور لکھنا سیکھا۔ اب تک کی تحقیق کے مطابق باقاعدہ فن کی شکل میں مکتوب نگاری کی ابتداء سلطنت روم کے سائے میں ہوئی اس سلسلے میں سسرو اور سینکا بزرگ (THE ELDER CENECA) کے مکاتیب قابل ذکر ہیں۔ جن میں روم کی زندگی کی جھلکیاں اس کی معاشرت کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ رومیوں کے مکتوبات کی زبان میں خطابت اور روزمرہ کی بول چال بین بین ہے۔ انگریزی زبان میں ۱۵ ویں صدی میں مکتوب نگاری کا آغاز ہوا۔ انگریزی زبان کی مکاتیب نگاری کی خصوصیات بے تکلفی سادگی، شگفتہ بیانی اور بذلہ سنجی ہے۔ یہاں بلاغت کی چاشنی کم اور زندگی کی چاشنی زیادہ

دیکھنے کو ملتی ہے۔ انگریزی ادب میں ڈاکٹر سموئیل جانسن (DR, SAMUEL JOHNSON) لارڈ چیسٹر فیلڈ (LORD CHESTER FIELD) ولیم کوپر (WILLIAM COPPER) چارلیس لیمب، کیٹس ،شیلی ،بائرن، براؤننگ، جارج برنارڈ شا وغیرہ کے مکتوبات قابل ذکر اور ادب کے شہ پارے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ لاطینی زبان میں منظوم مکتوب نگاری کی روایات ہورلیس (HORACE) نے قائم کی۔ فرانسیسی ادب کے ادبی شہ پاروں میں عپولین ،والٹیر، وکٹر، ہیوگو اور گائی دی موپاساں کے مکاتیب کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

اسلام کی بعثت کے قبل عرب میں خط لکھنا ایک پیشہ تھا اور اس پیشے سے تعلق رکھنے والے کو کاتب کہا جاتا تھا ۔ظہور اسلام کے بعد اس فن نے کافی ترقی کی اور اس کی نگہداشت اور یادداشت کو کثرت اور وسعت عطا ہوئی۔ خود حضور اکرم (ﷺ) کے بیشتر خطوط تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کراچی رقم طراز ہیں:

"خطِ جزم کے نمونے حضور (ﷺ) کے نامہائے گرامی کی شکل میں آج بھی نظر آتے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل بادشاہوں کے نام نامہائے مبارک کے عکس آج بھی دستیاب ہیں۔

۱۔ بنام مقوقس (۷ھ میں سرکار دوعالم نے یہ نامہ مبارک شاہ مصر مقوقس کے نام حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارت میں ارسال فرمایا)

۲۔ بنام۔ منذر بن ساوئی عبدی (۸ھ میں گورنر بحرین منذر بن ساوی کے نام یہ نامۂ مبارک حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارت میں ارسال فرمایا)

۳۔ بنام نجاشی" (ہجرت اولی کے وقت حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ)

نیز رقمطراز ہیں:

"حضور اکرم (ﷺ) کے تقریباً ۲۵۰ خطوط تاریخ نے محفوظ کیے ہیں جو آپ نے مختلف قبائلی شیوخ ،صوبائی افسروں اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے۔"۸۲

خلفائے راشدین کے زمانے میں خط لکھنے کے لئے کاتبین مقرر کئے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب کا فریضہ انجام دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی بار "دارالانشاء" قائم کیا اوران کے زمانے میں حضرت زید بن ثابت کے علاوہ عبداللہ بن ابی بن خلف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کاتب مقرر کئے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ذمہ داری مروان بن حکم کو سونپی تھی، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت عبداللہ بن ابی رافع اور حضرت سعید بن بخران رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کاتب مقرر کیا گیا۔ بنوامیہ کے عہد اور بنوعباس کے

عہد میں اس فن کو کافی عروج ہوا۔ دوسری صدی میں حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکتوب خلیفہ ہارون رشید کے نام اور امام لیث کا مکتوب امام مالک رحمہما اللہ کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مکتوب نگاری میں مہارت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سی کتابیں اور نمونے کے مکاتیب شائع کئے گئے ہیں ان میں ابوبکر الخوارزمی کے رسائل ''مقامات بدیع الزماں ہمدانی'' اور ابو محمد القاسم الحریری کی ''مقامات حریری'' تصنیف ہوئیں۔''۸۳

علماء اور صوفیاء میں امام غزالی کے مکتوبات سے پہلے کی کوئی تحریر کا پتہ نہیں چلتا۔ مکتوب نویسی کے آداب اور اس کی تاریخی ارتقاء پر عربی زبان میں ''صبح الاعشیٰ'' جیسی ضخیم تصنیف ابوالعباس شہاب الدین نقشبندی نے کی، اس کے علاوہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری سے ویلیموں، سامانیوں، غزنیوں اور سلجوقیوں کی حکومت میں بھی اہل قلم ادیبوں کو اپنے مکاتیب اور مراسلات کے جمع کرنے کا ذوق پیدا ہوا۔ اس خیال کی تحریک دو وجہوں سے ہوئی ایک تو یہ کہ ان عجمی بادشاہوں کی زبان فارسی اور ان کی حکومت کی زبان عربی تھی۔ مامون رشید کے زمانے سے ہی فارسی زبان میں خط و کتابت کا سراغ ملتا ہے۔ عجمیوں نے جہاں جہاں اپنی حکومتیں قائم کیں وہاں فطری طور پر خط و کتاب فارسی میں ہونے لگی ادھر ہلاکو خان کے ذریعہ دولت عباسیہ کے خاتمے کے بعد عربی زبان کا وقار بھی ختم ہو چکا تھا لہٰذا فارسی انشاء کو فروغ پانے کا موقع مل گیا۔ فارسی کے ادیبوں میں صابیؔ، صاحب اور عماد کاتب سے لے کر ''مثل السائر'' کے مصنف ابن عبدالکریم تک بہت سارے ایسے انشاء پرداز گذرے ہیں جن کے مکتوبات اور مراسلات ادب کے بیش بہا سرمایہ تصور کئے جاتے ہیں۔

ہندوستان کے شاہی ادیبوں میں ''آئینہ اکبری'' کے مصنف اور اکبر کے نورتن ابوالفضل کے مکتوبات کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ فارسی میں صوفیانہ مکتوبات میں ہندوستان کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے فلسفہ و تصوف کے رموز و نکات کی تشریح و تعبیر کے لئے صوفیاء کرام نے مکاتیب نگاری کا سہارا لیا اور ان کے توسط سے مریدین و معتقدین کی رشد و ہدایت کی۔ ان میں مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مکتوباتِ صدی'' کے علاوہ سید اشرف جہانگیر سمنانی، سید احمد مکی (صحائف السلوک) اور شاہ ولی اللہ کے مکتوبات ہمیشہ ارباب علم و دانش کو اپنی طرف متوجہ کرتے رہیں گے۔ ان صوفیاء کرام کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، عبدالقدوس گنگوہی، رشید الدین فضل اللہ، مولانا عبدالرحمٰن جامی، منیر لاہوری، میر سید علی ہمدانی، شیخ عبدالحق دہلوی، مرزا مظہر جانِ جاناں (رحمہم اللہ) وغیرہ کے مکاتیب پر مشتمل کتابوں کا ادبی مرتبہ آج بھی بہت بلند ہے اور تعلیمی اداروں میں داخل نصاب ہیں۔ بادشاہوں میں اورنگ زیب عالمگیر کے رقعات اس چمن کے سدا بہار پھول ہیں۔ علماء اور صوفیاء کرام کے یہ خطوط اپنی روحانی برکتوں، علمی بحثوں اور مذہبی حقیقتوں کے سبب سے ہماری عقیدتمندیوں کا صحیفہ تصور کئے جاتے ہیں۔

اردو میں مکتوبات نگاری کا باقاعدہ آغاز مرزا اسداللہ خان غالبؔ سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے اردو کے شعراء متقدمین کے مکاتیب کا پتہ نہیں چلتا۔ مرزا غالبؔ کے دو مجموعے ''عود ہندی'' اور ''اردوئے معلیٰ'' کی زبان کو ادبی اہمیت حاصل ہے۔ اپنے مکاتیب کے بارے میں خود مرزا غالبؔ کا دعویٰ ہے کہ:

''میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنادیا۔''۸۴ے

مرزا غالبؔ کے بعد خطوط کو لکھنے اور انہیں محفوظ کرنے کا ایسا سلسلہ چلا کہ اس کی ادبی حیثیت مسلم ہوگئی۔ سرسید کے مکاتیب، حالیؔ کے مکتوبات، نواب محسن الملک کے خطوط امیر مینائی کی تحریر، اکبر مرحوم کے عنایت نامے اور شبلی کے مکاتیب کے علاوہ امام احمد رضا خان کے مکتوبات۔

سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، خواجہ حسن نظامی نے اپنے مکاتیب میں انشاء پردازی کے کمالات دکھائے۔ نواب مرزا خان داغؔ اور ڈاکٹر اقبالؔ، صاحب طرز انشاء پرداز نیاز فتح پوری، مہدی افادی، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی وغیرہم نے اپنے اپنے طور پر اسلوب کی توانائی اور انداز بیان کی شگفتگی کے علاوہ علمی وادبی نکات کو بھی نہایت اعتماد اور سچائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ابوالکلام آزاد کے مکاتیب کے مجموعے ''غبار خاطر'' کی اشاعت نے علمی نثر کو ادبی رنگ وآہنگ سے مزین کیا جس سے اردو کے مکتوباتی ادب کا وقار بڑھا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اختیاری اور اضطراری۔ مکتوب نگاری نثری ادب کی وہ صنف ہے جو چند کے سوا اضطراری ہے لیکن یہ انسانی عادت ہے کہ وہ جبر سے زیادہ اختیار کا ذکر کرتا ہے اسی لئے اختیاری ادب اہتمام کے ساتھ شائع کیا جاتا رہا اور اضطراری ادب کی جانب نسبتاً کم توجہ دی گئی۔

خطوط لکھتے وقت انسان وہ اہتمام نہیں کرتا ہے جو وہ دیگر نثری اصناف میں کرتا ہے جیسے مقالہ نگاری، فکشن نگاری یا تنقید نگاری وغیرہ میں۔

سلیمان ندوی نے اس بارے میں بہت خوب لکھا ہے:

''حسنِ تحریر کی وہ صنف جو تالیف وتصنیف میں نظر آتی ہے وہ سراپائے جمال ہے جو اپنے جلوۂ سربام کا احساس رکھتی ہے اور دیکھنے والوں کے لئے اہتمامِ آرائش کرتی ہے اور حسنِ تحریر کی وہ صنف جو کارڈ کی چلمنوں اور لفافوں کے نقابوں میں چھپی ہوتی ہے وہ اپنے جلوؤں سے بے پروا اور تاک جھانک کرنے والوں سے بے خبر رہتی ہے۔ اس لئے وہ تصنع وتکلف کے غازہ اور پوڈر اور سعی واہتمام کی زینت وآرائش سے پاک ہوتی ہے۔ وہ فطرت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ویسی ہی نظر آتی ہے جیسی وہ ہے۔''۸۵ے

مکتوب مختلف رنگ کے ہوتے ہیں، کاروباری، نجی، علمی وغیرہ لیکن کسی بھی طرح کے مکتوب میں مکتوب نگار اپنی

بات منوانے، اپنی بات میں زور پیدا کرنے نیز علمی امور پر بحث و تمحیص میں ضرور اہتمام کرتا ہے۔ لیکن خط کا اسلوب بہر حال تصنع سے پاک، سادہ سیدھا اور سچا ہی ہوتا ہے۔ انسانی زندگی میں مکتوب کی بڑی اہمیت ہے اس سے صرف مکتوب نگار ہی کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہوتیں بلکہ مکتوب الیہ کی بابت بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں نیز اس عہد کے مختلف سیاسی، سماجی، علمی وادبی ماحول کا پتہ چلتا ہے۔ شعروشاعری تصنیفات وتالیفات اور دوسری تحریرات کی طرح مکاتیب بھی شخصیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ سوانحی ادب کی تیاری میں مکاتیب بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

امام احمد رضا خان کے مکاتیب گوناگوں خصوصیات کے حامل اور ظاہری وباطنی حسن سے آراستہ ہیں۔ آپ کے مکتوبات میں بے شمار حقائق ومعارف اور دینی مسائل کے گوہر آبدار نمایاں ہیں۔ ان کے توسط سے معاشرتی زندگی کے مسائل کا حل بھی تلاش کیا جاسکتا ہے تو دوسری طرف ان مکاتیب کے مطالعے کے بعد اسلامی احکام کی پیروی کا جذبہ دلوں میں امنڈنے لگتا ہے۔ موصوف کے روزمرہ کے مشاغل، تعلیمی سرگرمی، دینی وملی خدمات کے علاوہ اکابرینِ دین وملت سے ان کے تعلقات کا اندازہ بھی ان مکاتیب کے ذریعہ بخوبی ہوجاتا ہے۔ امام موصوف کی مکتوب نگاری کی سب سے بڑی خصوصیت انشاء پردازی کا کمال ہے۔ مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے اعلیٰ ومعیاری مکاتیب نگاری کی ظاہری ومعنوی خوبیوں سے ان کے مکتوبات آراستہ وپیراستہ ہیں اور عالمانہ شان کے مظہر بھی۔ آپ کے مکاتیب میں آداب والقاب کے تنوع، سادگی اور سلاست، ایجاز واختصار وغیرہ کے اچھے نمونے ہیں۔

امام احمد رضا خان کے مکتوبات میں توضیحی اور تخلیقی نثر کے خوبصورت نمونے موجود ہیں انا نیتی نثر کے نمونے بھی آپ کے مکتوبات میں پائے جاتے ہیں۔

مکاتیب امام احمد رضا کا ایک جائزہ ملاحظہ ہو:

۱۔ القاب وآداب میں تنوع

امام احمد رضا خان کے مکاتیب میں القاب وآداب میں تنوع بہت خوب ہے یہاں کوئی بناوٹ، تصنع یا تکلف نہیں ہے۔ دعائیہ کلمات میں بھی تنوع پایا جاتا ہے۔ آپ کے القاب وآداب سے جہاں پیرزادوں کے لئے تعظیم وتکریم اور عقیدت جھلکتی ہے وہیں دوسرے مکتوب الیھم سے بھی ان کی محبت اوران کی قدر ومنزلت کا پتہ چلتا ہے۔ دعائیہ کلمات میں تنوع ہے، اس سے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر آپ کے یکساں عبور کا پتہ چلتا ہے۔

اپنے ایک پیرزادہ مولانا سید اولادِ رسول صاحب مارہروی کے لئے لکھتے ہیں:

"شاہزادۂ خاندانِ برکات حضرت مولانا مولوی"

انہیں کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''جناب صاحبزادہ والاقدر، مولانا مولوی، حضرت بابرکت دامت برکاتھم''

وغیرہ۔

اپنے ایک خلیفہ مولانا محمود جان کو لکھتے ہیں:

''مولانا المکرّم ذی المجد والکرم''

ایک دوسرے خلیفہ مولانا عبدالسلام جبل پوری کے لئے لکھتے:

''عیدالاسلام حضرت مولانا مولوی عبدالسلام، مولانا مکرم، ذی المجد والکرم''

مولانا عرفان علی کے لئے القاب: (یہ امام احمد رضا خان کے مرید تھے)

''راحت جانم، برادرِدینی، مولوی عرفان سلمہٗ، برادر دینی ویقینی سلمہٗ نوردیدہ، راحت روانِ من''

مولانا ظفرالدین بہاری کے لئے القاب: (یہ امام موصوف کے مرید وشاگرد اور خلیفہ تھے)

''حبیبی وولدی وقرۃ عینی، ولدی وزینی وقرۃ عینی، ولدالاعز، ولدی الاعزی اعزک اللہ فی الدنیا والدین، مولانا المکرّم'' وغیرہ۔

ایک اور خلیفہ ومرید اور تلمیذ مولانا برہان الحق جبل پوری کے لئے القاب۔

''ولدی الاعزی اللہ روحی وبہجتہ قلبی، نورِحدیقہ افضال، نورِحدیقہ کمال، عزیز بجان، سعادت نشان مولوی عبدالباقی برہان الحق'' وغیرہ۔

خلیفہ تاج الدین کے لئے:

''حامئی سنت، ماحئی بدعت''

منشی محمد لعل خان کے لئے: ''ناصر ملت'' ۸۶

مولانا قاری بشیرالدین کے لئے: ''مولانا ومکرمنا''

دعائیہ کلمات میں کہیں لکھتے ہیں:

''واجزل ثوابکم، نیازِ مشحون، سلام مسنون، بحلہٖ المولیٰ سبحٰنہٗ وتعالیٰ کاسمہٗ ظفرالدین، مولیٰ تعالیٰ اس نعمت مآل کو مبارک فرمائے۔ اعزاللہ شانکم ورفع مکانکم وابلج برہانکم، جزاکم خیراً وبارک فیکم وبکم ولکم وعلیکم، زید شرفکم جزاکم المولیٰ تعالیٰ خیراً کثیراً'' ۸۷

۲۔سادگی وسلاست

سادگی اور بے بناوٹی کے بارے میں سید سلیمان ندوی کا قول پیش کیا جاچکا ہے یہاں انگریز رائٹر۔ ڈراؤتھی آسبرن

کا خیال ملاحظہ کیجئے:۔

''میرا خیال ہے کہ خطوط ایسی بے تکلف اور آسان زبان میں لکھنے چاہئیں جیسے ہم آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ خط پڑھتے وقت ایسا معلوم ہونے لگے جیسے ہم کوئی دھواں دھار تقریر سن رہے ہیں یا مشکل الفاظ سے وہ اتنے لدے ہوئے ہوں کہ طلسمات بن کر رہ جائیں۔''۸۸

نمونہ نمبر۱:

۷۸۶

''برادر دینی و یقینی مکرمی کرم فرما۔

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ برکاتہٗ۔

مخمس آیا ابھی دیکھا نہیں۔ زیادہ ضرورت اس بات کی ہوئی کہ قاضی عطا علی صاحب کا مضمون بنا کر پندرہ دن سے زائد ہوئے لفافہ میں رکھ قاضی صاحب نے جو اپنا پتہ لکھا تھا یعنی بیسلپور ضلع پیلی بھیت، محلّہ قاضی ٹولہ، اس پتے پر بھیج دیا اور قصداً ایک پیسہ کے زیادہ ٹکٹ نہ لگایا کہ اس کا بیرنگ ہو جائے تو اطمینان سے پہنچے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ اب طبع ہو کر آتا ہوگا۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک پہنچا نہیں۔ اس کی تحقیق کامل طور پر کی جائے۔ چھٹی رساں سے دریافت ہو کہ کسے دیا۔ جس قدر اس میں اضافہ کیا وہ اصل کے برابر ہوگا جس کی نقل بھی یہاں نہیں ہے۔ اپنے والد ماجد سے سلام گذارش کیجئے نیز قاضی علی صاحب سے۔ مدت ہوئی میں نے ایک خط کہ آپ کے خط جواب میں لکھا اور اس میں بعض دعائیں پڑھنے کے قابل تھیں، معلوم نہیں وہ خط پہنچا یا نہیں۔''

فقط والسلام

دستخط (احمد رضا قادری غفرلہ)

۱۰ رمضان المبارک دوشنبہ ۳۳ھ

۸۹

نمبر۲:

۷۸۶

''مولانا المکرم۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔

خط آیا اس کا جواب تو بعد کو ہو پہلے یہ گذارش کہ ۲۸ ذی قعدہ روز جمعہ آپ کا خط مژدہ ولادتِ صاحبزادہ وطلب نام

تاریخی میں آیا۔ میں نے اسی دن تہنیت کا تار دیا اور اس میں تاریخی نام ''مختار الدین ۱۳۳۶/'' لکھا اس کی کوئی رسید نہ آئی ۔میں سمجھا کہ غیر ضروری جان کر آپ نے نہ لکھی۔ اب خط آیا اس میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں، تو ظن ہوتا ہے کہ تار پہنچا ہی نہیں ۔جسے بھیجے ہوئے آج ۱۹ دن ہوئے۔ اگر ایسا ہے، تو اطلاع دیجئے، تا کہ تار گھر سے مطالبہ ہو۔''

فقیر قادری غفرلہٗ ۹۰

نمبر ۳: پیر خانہ کے ایک صاحبزادے (پیرزادے) سید اولاد صاحب کے نام ایک خط۔ ''حضرت صاحبزادہ صاحب۔

تسلیم عرض

صاع وہی دو ستر تولے ہے جس کا سکہ رائجہ ہند سے دو سو اٹھاسی (۲۸۸) روپئے بھر وزن ہوا کہ یہ روپیہ سوا گیارہ ماشہ ہے مگر احسن واحوط یہ ہے کہ گیہوں کا صدقہ جَو کی صاع سے ادا کیا جائے، یعنی جس پیانے میں ایک سو چوالیس (۱۴۴) روپئے بھر جَو آئیں اسی بھر گیہوں دیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ گیہوں وزن میں زیادہ آئیں گے جَو سے بھاری ہے۔ فقیر نے صاع شعیر حاصل کیا اور اس میں گیہوں بلا تقویم وتکسیر بھر کر تولے پورے تین سو اکاون (۳۵۱) روپئے بھر ہوئے تو صدقۂ فطر وفدیہ صوم وغیرہ میں نیم صاع گندم کے اٹھنی اوپر پونے دو سو روپئے بھر گیہوں دینا احوط ہے جس کے بریلی کے سیر سے اٹھنی بھر اوپر پونے دو سیر ہوئے اور اسی روپئے بھر کے سیر سے اٹھنی بھر اوپر تین چھٹانک دو سیر ہوئے۔

وھو تعالیٰ اعلم

فقیر احمد رضا قادری غفرلہٗ

جناب کا رسالہ ''ردِّ کذب'' جس دن آیا اس کے دوسرے ہی دن ہم دست غنی میاں خادم حضرت والا سید شاہ مہدی میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم کا مرسلہ خدمت کیا اور اس کے ساتھ ایک نیاز نامہ بھی حاضر کیا تھا رسید ور سالہ اب تک نہ ملی مطلع فرمائیں۔

(مارہرہ کی مہر ۱۴ جولائی ۱۳ء ہے) ۹۱

یہ خط علمی وفنی تشریحات سے بھرپور ضرور ہے مگر سادگی نمایاں ہے، علاوہ ازایں ہر بات کی بھرپور وضاحت بھی موجود ہے۔

نمبر ۴۔ یوں ہی ایک دوسرا خط جس میں حضرت سید شاہ آل رسول محمد میاں کے مسائل شرعیہ کے استفسار کا جواب ہے۔ اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

''جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو نماز منفرداً نہ پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اس کی تقدیم

،امامت کے لئے اسے آگے بڑھانا بکراہت تحریم اور واجب و مکروہ تحریمی دونوں ایک مرتبہ میں ہیں۔ودا‌ع المفاسد اھم من جلب المصالح (اور فساد لانے والی چیزوں کا دور کردینا زیادہ اہم ہے مصلحت والی چیزوں کے لے آنے سے)۔ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں اور ظہر اعادہ کریں کہ وہ فرض ہے اور فرض اہم ہے اسی طرح اگر اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں۔الفتنۃ اکبر من القتل‘‘

۲’’سود لینا مطلقا حرام ہے مسلم سے یا کافر سے ہاں اگر ڈاک خانے میں یہ جمع کریں اور ڈاک خانہ اس پر جو کچھ زیادہ دے اسے سود کی نیت سے نہ لے۔بلکہ یوں کہ ایک برضائے مالک غیر مسلم بلا عذر ملتا ہے تو لے لینا جائز ہے اور فقراء مسلمین پر اس کا صرف اولیٰ۔‘‘ ۹۲

مذکورہ خط کے نمونے ہمارے اس خیال کو تقویت بخشتے ہیں کہ مکتوبات کے ذریعہ موصوف نے دین متین کی نہ صرف تبلیغ فرمائی بلکہ اسلامی علوم وفنون کو سہل اور سادہ انداز میں پیش کرنے کا ہنر عطا کیا ہے۔مذکورہ نمونوں میں امام احمد رضا خان کے مزاج کے اعتدال پسندی کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے۔فقہی مسائل کو توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس میں قوت استدلال کی خوبی موجود ہے۔علمی مباحث میں مکتوب الیھم کے علمی استعداد کے بموجب زبان استعمال کی گئی ہے۔بعض مکاتیب تھوڑا علمی ضرور ہیں مگر سادگی نمایاں ہے،علاوہ ازیں ہر بات کی بھر پور وضاحت بھی موجود ہے۔

ایجاز واختصار

امام احمد رضا خان کے مکتوبات عام طور پر طویل نہیں ہوتے۔ان کے مکاتیب میں کوئی بات غیر ضروری نہیں ہوتی، لفظ لفظ نپا تلا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض کام کی باتوں کے اظہار کو ہی اہمیت دیتے ہیں ادھر ادھر کی باتوں میں نہیں الجھتے البتہ جو کچھ لکھتے ہیں نہایت اسناد اور صداقت کے ساتھ لکھتے ہیں۔آپ کے خطوط سے وقت کی قدر شناسی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

نمونہ نمبر ا۔مولانا ظفر الدین بہاری کو لکھے گئے ایک مکتوب میں امام احمد رضا خان نے جہاں ایک فقہی مسئلے کا جواب نہایت اسناد کے ساتھ پیش کیا وہیں دوسرے حوالہ جات کے سلسلے میں بھی معیاری اور معتبر کتابوں کا حوالہ پیش کیا ہے۔اقتباس ملاحظہ ہو:

’’تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے حاشیہ ’’دُرَر‘‘ میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ساتھ علیہ السلام کا اختصار ’’ع،م‘‘ لکھنا کفر ہے کہ تخفیفِ شان نبوت ہے۔اب کبھی بانکی پور جانا ہو تو اس عبارت کو ضرور تلاش کیجئے اگر آپ کو ملے تو بحوالۂ کتاب وباب وفصل مع نقل عبارت اطلاع دیجئے‘‘۔۹۳

اس اقتباس سے موصوف کی فقہی معلومات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔مسائل کے استنباط واستخراج کی بھر پور صلاحیت موصوف میں جھلک رہی ہے۔اس چھوٹے سے اقتباس سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی شخصیت ابھر کر سامنے

آتی ہے۔ دونوں کے درمیان کہنے سننے کی فضا ہے پوچھنے اور مختصراً (مگر تشفی بخش) جواب دینے کی صلاحیت موجود، گفتگو عالمانہ ہے لیکن زبان سادہ، عام فہم مگر پر لطف ہے۔

نمبر۲: "مولانا و مکرمنا جناب مولوی قاری بشیر الدین صاحب دام کرمہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ وغفر اللہ، واجزل ثوابکم اخلفکم خیر امتھا ولازلتم فی العافیۃ الھنیۃ (آمین)۔

فقیر انشاء اللہ العزیز ارادۂ حاضری رکھتا ہے ممکن ہے کہ حاضر ہوکر ادائے تعزیت کرے۔

والسلام فقیر احمد رضا قادری غفرلہٗ

شب ۴ صفر ۱۳۲۶ھ شب دوشنبہ ۹۴

اس مکتوب میں دعائیہ کلمات کی جامعیت اور حسن بھی لائق دید ہے۔

نمبر۳:

خط بنام مولانا ظفر الدین بہاری ملاحظہ ہو:

"مولانا المکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج کئی روز ہوئے سند بھیج چکا ہوں "مبسوط میں بحث ماء معتصر من شجر او ثمر او ماء غلب علیہ غیرہ طبعًا او اجزاء ضرور ہوگی۔ خیال رہے اگر نظر پڑے۔

والسلام ۹۵

نوٹ: یہ خط خالص علمی ہے مگر ایجاز و اختصار کا کتنا عمدہ نمونہ ہے۔

دل افروزی

امام احمد رضا خان کے مکاتیب سے ان کے احباب و مخلصین و محبین کو بڑا سکون ملتا تھا آپ اپنی تمام تر دینی و علمی مصروفیات کے باوجود احباب کو جواب دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے اور انہیں تسلی و تشفی اور سکون بخشی کا سامان فراہم کرتے تھے۔ آپ کے مکاتیب میں دوائے درد بھی ہے اور درد دِلا دوا بھی۔ چند نمونے دیکھئے:

نمبر الف: بنام مولوی عرفان صاحب

برادرم سلمہٗ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

مولیٰ تعالیٰ آپ کے ایمان، آبرو، جان، مال کی حفاظت فرمائے، بعد نماز عشاء ایک سو گیارہ بار طفیلِ حضرتِ دستگیر دشمن ہوئے زیر پڑھ لیا کیجئے اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف اور آپ کے والد ماجد صاحب کو مولیٰ تعالیٰ سلامت

باکرامت رکھے ان سے فقیر کا سلام کہئے یہی عمل وہ بھی پڑھیں۔ ۹۶

نمبر ب: خط بنام مولانا عبدالسلام جبل پوری

''مولوی شاہ عبدالسلام صاحب،

عیدالاسلام دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مولیٰ تعالیٰ عزوجل اس نعمتِ تازہ کو مبارک فرمائے۔ میرا معمول یہ رہا ہے کہ جتنے بیٹے، بھتیجے، پیدا ہوئے عقیقہ میں سب کا نام، نامِ اقدسِ رسالت (ﷺ) پر رکھا۔ اور کہنے کے لئے کچھ اور۔ اس نعمتِ تازہ کا عقیقہ بھی اسی مبارک نام پر ہو اور عرف لمعان الحق''۔ ۹۷

نمبر ج: خط بنام مولانا ظفرالدین بہاری:

ولدی الاعز، حامی السنۃ، ماحی الفتنۃ جعل المولیٰ تعالیٰ کاسمہ ظفرالدین،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مدت ہوئی ہے تبرکِ سلام وکلام کو، میں جن احوال میں ہوں احمد ربی علی کل حال فاعوذ بہ من احوال اہل النار۔ دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است، حسبنا اللہ ونعم الوکیل............آج دردو کرب وتپ کی زیادت شدت رہی اور حمد اس کے وجہ کریم کو کہ بے شمار عافیتیں ہیں مجھے کافی شرح وافی......کی ضرورت ہے مجھے بہت تعجیل ہے جو اجرت قرار پائے گی بعونہ تعالیٰ حاضر کی جائے گی، والسلام'' ۹۸

امام احمد رضا خان کے خطوط ان کی فرض شناسی، عشقِ رسول مقبول ﷺ، دینی درد، تلامذہ وخلفاء اور احباء سے محبت، صلۂ رحمی، حسنِ خلق وغیرہ غرض یہ کہ ان کی سیرت کے بہت سے پہلو کو اجاگر کرتے ہیں لیکن چونکہ یہاں ان کے مکاتیب کا ادبی ولسانی جائزہ مقصود ہے لہٰذا اس پہلو سے قطع نظر مکاتیبِ امام احمد رضا خان کا ادبی ولسانی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

جہاں تک مکاتیب کا تعلق ہے وہ بینادی طور پر اناتیتی یا شخصی نثر کے ذیل میں آتے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے ان کا دائرۂ عمل محدود رہتا ہے۔ لیکن مکاتیب میں اکثر وبیشتر ایسے مقامات آجاتے ہیں جہاں مکتوب نگار کو بھی توضیحِ خیال کی ضرورت پیش آتی ہے، کبھی کسی شئی کے بارے میں اپنے تاثرات ومحسوسات پیش کرنے ہوتے ہیں۔ لہٰذا مکاتیب میں نثر کی چاروں بڑی قسمیں توضیحی، بیانیہ، اناتیتی اور تاثراتی تلاش کی جاسکتی ہیں۔

امام احمد رضا کے مکاتیب، مذہبی، علمی، سماجی، تہنیتی، تعزیتی، اصلاحی اور دیگر مختلف نوعیت کے ہیں لہٰذا ان کے مکاتیب میں موضوعات کا ایسا تنوع ہے کہ ان میں ادائے خیالات اور اظہار احساسات کے تمام اسالیب بڑی آسانی سے

تلاش کئے جاسکتے ہیں۔

توضیحی نثر

مندرجہ ذیل خط ملاحظہ ہو! جس کا منشاء مقصد ہے مولانا ظفر الدین صاحب کی ایک مدرسہ میں تقرری کرانا اور مکتوب الیہ کو اپنی پسند کے مدرس اور اپنے انتخاب سے مطمئن کرنا۔

"بملاحظہ.........خلیفہ تاج الدین احمد صاحب زید کرمہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مکرمی مولانا ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں، مگر اتنا ضرور کہوں گا سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی، مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کرسکتے ہیں علماء زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے "زواجر" میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء عامتہ المسلمین سے اٹھ گیا ہے۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے۔ اِنہوں نے بقدرِ کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں اوقاتِ طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقاتِ ماہِ مبارک رمضان شریف کے لئے بناتے ہیں۔

فقیر آپ کے مدرسہ کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کیلئے پیش کرتا ہے۔ اگر منظور ہو تو فوراً اطلاع دیجئے کہ اپنے ایک دوست کو میں نے روک رکھا ہے کہ ان کی جگہ مقرر کروں، اگرچہ دو عظیم کام یعنی افتاء وتوقیت اور ان سے اہم تصانیف میں وہ بھی ہاتھ نہیں بٹاسکتے اسی لئے وعظ مناظرہ بھی نہیں کرسکتے۔ مگر یہ وہاں گئے تو جس نے انہیں ان کاموں کا اپنے کرم سے بنادیا ہے ان کو بھی بناسکتا ہے۔ والسلام ۹۹

اس خط میں مکتوب الیہ یعنی خلیفہ تاج الدین صاحب کو مطمئن کرتا ہے کہ جس مدرس یعنی مولانا محمد ظفر الدین کو میں آپ کی درخواست پر بھیجنا چاہتا ہوں وہ ہر لحاظ سے لائق وفائق اور آپ کے مدرسہ کے لئے کارآمد ہیں اس لئے اس خط میں از اوّل تا آخر استدلال کا انداز پایا جاتا ہے۔

یہ خط وضاحت، ترتیب، استدلال، ایجاز اور بلاغت سے پر ہے اس خط سے امام احمد رضا کی شخصیت اور ذات کا اظہار بھی ہو رہا ہے۔ اور اس طرح انانیت یا شخصی نثر کا نمونہ بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ علم توقیت کے تعلق سے تحریر کرتے ہیں

''فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔''

نمبر۲۔ ناظم ندوہ۔ مولانا محمد علی مونگیری بدعقیدہ لوگوں سے محبت کے الزام میں ملوث تھے امام احمد رضا خان انہیں اپنے عقیدہ اور موقف نیز بدعقیدوں کے اعانت پر غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ جو کچھ وہ (امام احمد رضا) کر رہے ہیں یا کہہ رہے ہیں اپنے کسی فائدے یا غرض کے لئے نہیں بلکہ اخوت اسلامی کی خاطر۔

اب مکتوب کا اقتباس ملاحظہ کیجئے اور وضاحت واستدلال کا اندازہ دیکھئے:

''ماھوالمسؤن ملتمس، یہ بعض خدام اجلہ علماء اہلسنت کے سوالات محض بنظر ایضاح حق حاضر ہوئے ہیں، اخوت اسلامی کا واسطہ دے کر بنہایت الحاح گذارش کہ للہ خالص انصاف کی نگاہ سے غورِ کامل فرمایا جائے۔ واقعی عرض ہے کہ ان میں کوئی غرضِ نفسانیت ملحوظ نہیں صرف تحقیقِ حق منظور ہے، ولہٰذا باوصفِ خواہشِ احباب ہنوز ان کی اشاعت نہ کی کہ اگر آپ حضرات بتوفیق الٰہی جل وعلا خود اصلاح مقاصد ودفع مفاسد فرمالیں تو خواہی نخواہی افشائے زلات کی کیا حاجت؟

مولانا ایک ایک سوال کو تامل بالغ سے فرما کر غور ہو کہ اگر ان خادمان سنت ہی کے خیالات حق ہیں تو معاذ اللہ ضرر رسانی اہلِ سنت میں سعی کیسی سخت بات اور روزِ قیامت کس قدر باعثِ شدتِ مواخذات ہے۔

مولانا! اللہ رجوع الی الحق بہتر ہے یا تمادی فی الباطل؟ مولانا! ہم فقراء کو آپ کی ذات خاص سے علاقۂ نیاز ہے اور اراکین سے جدا بھی، خود اپنے علمِ نافع وفہمِ ناصح سے تامل فرمائیں۔ ان اغلاط کی مشارکت میں براہِ بشریت خطا فی الفکر واقع ہوئی ہو تو رجوع الی الحق آپ جیسے علماء کرام وسادات عظام کے زین ہے نہ معاذ اللہ عار شین!..................

مولانا! اس وقت ہم فقراء کا آپ کی جناب میں یہی خیال ہے کہ بوجہ سلامتِ نفس بعض چالاک صاحبوں کی ظاہری باتوں سے دھوکا ہوا ہے ورنہ عیاذاً باللہ آپ کو ہرگز مخالفت واضرار مذہب اہلسنت پر اصرار مقصود نہیں''۔[۱۰۰]

امام احمد رضا خان نے اس مکتوب میں مکتوب الیہ مولانا مونگیری کی پردہ پوشی بھی کی ہے اور احباب کے اصرار کے باوجود ان کے عقیدے کی اشاعت نہ کی۔ امام احمد رضا خان نے بہت نرم زبان میں مونگیری صاحب کو سمجھایا ہے۔ ایک لائق وفائق وکیل کی طرح مکتوب الیہ کو مسئلہ کی نزاکت سمجھائی ہے اور اس خط میں توضیح واستدلال کا جو طرز اختیار کیا ہے اس کا مقصد ہے مکتوب الیہ کو حق کی طرف بلانا تاکہ وہ خود حق سمجھ کر باطل کو ترک کردیں۔

بیانیہ نثر:

ا۔ خط بنام مولوی عرفان علی صاحب، ملاحظہ ہو:

''برادر دینی ویقینی سلمہٗ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

بھوالی، شہر در کنار، کوئی گاؤں بھی نہیں۔ پہاڑ کی تلی میں چند دکانیں اور مسافروں کے ٹھہرنے کے معدود مکان، اس میں جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتے۔ نینی تال شہر ہے اس میں صرف دو مسجدیں ہیں ایک چھوٹے بازار اور دوسری بڑے بازار میں جہاں میرے احبابِ اہلسنت رہتے ہیں۔ اس مسجد کا امام ایک دیوبندی ہے۔ سنیوں نے مدتوں سے اس کے پیچھے نماز چھوڑ دی ہے۔ صوفی عنایت حسین صاحب کی دوکان میں جمعہ وعیدین پڑھتے ہیں۔ مجھے انہیں احباب نے نماز پڑھنے کو بلایا تھا اسی دکان میں جہاں مدت سے جمعہ ہوتا ہے۔ میں نے اس رمضان شریف میں ایک جمعہ ادا کیا اس کے بعد بھوالی چلا آیا اور اب جا کر نماز عید پڑھائی۔ عید تو عید جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں مکان، دکان، شہر کے میدان سب میں ہوسکتا ہے۔ سب احباب کو سلام، والسلام۔ [۱۰۱]

۲۔ خط بنام مولانا مفتی شاہ عبدالسلام جبل پوری

''شب دوشنبہ ۸ بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی آیا۔ راہ میں بڑی نعمت بفضلہٖ عزوجل یہ پائی کہ نماز مغرب کا اندیشہ تھا، شاہ جہاں پور ۶۔ ۳۳ پر آمد تھی کہ ہنوز وقت مغرب نہ ہوتا اور صرف ۸ منٹ قیام، مگر گاڑی بفضلہٖ تعالیٰ ۱۵ منٹ لیٹ ہوکر شاہجہاں پور پہنچی اور ۱۰ منٹ ٹھہری کہ بہ اطمینان تمام نماز اچھے وقت ادا ہوئی۔ وللہ الحمد۔

اسٹیشن بریلی پر ہجومِ احباب بکثرت تھا۔ وہابیہ خذلہم نے کہ اخبار موحشہ اڑا رکھی تھیں، ''رَغـمـاًلِاُنُوفِهِمْ ''۔ موٹر کو راہِ شہر کہنہ پر لے گئے اور باآنکہ میں حتیٰ الامکان شر البقاع اسواقه سے نفور ہوں بازاروں میں لائے۔ بیچ میں کمپنی باغ کی ٹھنڈک سڑک پڑی جس کے دونوں پہلو عجب خوشنما وسایہ دار ہوا بار اشجار کی قطار دور تک تھی۔ یہ سڑک میں نے عمر بھر میں اسی شب دیکھی۔ موٹر بلحاظ ہمراہیاں بہت آہستہ خرامی کے ساتھ بہ دیر مکان پر پہنچا۔ فقیر نے ابتداء بہ مسجد کی، نمازِ عشاء ہوئی پھر ۱۱ بجے تک غزل خوانوں (نعت خوانوں) کا ہجوم رہا۔ گیارہ بجے کچھ کھانا کھایا، ۱۲ بجے سے بخار آگیا۔ ۲ بجے بہت سردی معلوم ہوئی پلنگ اندر لایا گیا۔ رضائی اوڑھی اور سردی نہ جاتی تھی۔ دوسرے دن بفضلہٖ عزّ وجل و ببرکتِ دعائے جناب پسینہ خوب آیا اور بخار اتر گیا۔ تیسرے دن پیاس اور درد کی شدت رہی۔ کل روزِ چہارشنبہ سب دنوں سے زیادہ کرب رہا۔ آج بفضلہٖ عزّ وجل بہت اعراض زائل ہیں اور دردِ سر میں اتنی تخفیف کہ یہ نیاز نامہ لکھ رہا ہوں۔ [۱۰۲]

مکتوب نمبرا: بھوالی سے لکھا گیا ہے۔ بھوالی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں صرف یہی نہیں لکھا ہے کہ چند دکان اور مکان ہیں بس! بلکہ تفصیل بھی پیش کی ہے کہ پہاڑ کی تلی میں چند دکانیں اور مسافروں کے ٹھہرنے کے معدود مکان ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ توضیحی نثر کا بھی جلوہ اسی میں پیش کیا ہے کہ چونکہ یہ شہر ہے نہ گاؤں، نہ آبادی، لہٰذا یہاں جمعہ اور عیدین دونوں نمازیں نہیں ہوسکتیں۔

نینی تال کی دونوں مسجدوں کے ذکر کے ساتھ بڑی مسجد کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ اس کا امام دیوبندی ہے لہٰذا احبابِ اہلسنت اس کی اقتداء میں نماز نہیں ادا کرتے۔ وہاں جس جگہ جمعہ وعیدین کی نماز احبابِ اہلسنت پڑھتے ہیں اس دکان کے ساتھ مالک دکان کا نام بھی بتایا ہے۔ خود اپنی امامت کا بھی ذکر کیا ہے نیز ایک مسئلہ کی توضیح استدلال کے ساتھ کی ہے کہ عید اور جمعہ کے لئے مسجد کی شرط نہیں بلکہ شرط ہے شہر کی لہٰذا یہاں مکان، دکان اور شہر کے میدان کہیں بھی یہ نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

یہ خط بیانیہ نثر کے ساتھ ساتھ توضیحی نثر کا بھی اچھا نمونہ ہے۔

مکتوب نمبر ۲: یہ مکتوب امام احمد رضا خان نے اپنے خلیفہ مولانا شاہ عبدالسلام جبل پوری کو تحریر کیا ہے۔ حج وزیارت سے مشرف ہو کر امام احمد رضا خان ہندوستان لوٹے تو بمبئی اجمیر شریف وغیرہ ہوتے ہوئے جبل پور شاہ عبدالسلام صاحب کے یہاں تشریف لائے اور وہاں چند یوم قیام فرما کر اپنے وطن بریلی واپس آئے۔ بریلی سے انہیں اپنے بخیر پہنچنے کی اطلاع بذریعہ خط دی۔ اس خط میں امام احمد رضا خان نے صرف یہی لکھنے پر اکتفا نہ کیا کہ وہ بریلی تک بخیر پہنچ گئے اور اسٹیشن سے احباب انہیں ریسیو (Receive) کر کے گھر لے گئے۔ بلکہ امام احمد رضا خان نے ہر بات تفصیل سے لکھی ہے۔ جس دن، وقت ٹرین اسٹیشن پر پہنچی یعنی شب دوشنبہ ۸ بجے بریلی اترے۔ شاہ جہاں پور میں ٹرین کی آمد کا وقت بھی لکھا ہے اور پھر بتایا ہے کہ وہاں ٹرین ۱۵ منٹ تاخیر سے آئی اور بجائے ۸ منٹ کے دس منٹ رکی۔ اس طرح ٹرین کی تاخیر ہونے سے مغرب کا وقت ہو گیا اور دو منٹ زیادہ رکنے کی وجہ سے انہوں نے نمازِ مغرب باطمینان ادا کر لی۔ بریلی اسٹیشن پر احباب کا ہجوم، موٹر کے پرانے شہر کے راستے پر لے جانے اور بازاروں سے گذرتے ہوئے کمپنی باغ کی ٹھنڈی سڑک پر جلوس کے آنے کا بھی ذکر کیا ہے۔

امام احمد رضا خان نے سڑک کے کنارے دونوں جانب لگے درختوں کی منظر کشی بھی کی ہے ان کی خوشنمائی، سایہ دار اور ہوا بار ہونے کا ذکر کے واقعہ نگاری کا بہتر نمونہ پیش کیا ہے۔ اس طرح کس وقت گھر پہونچے، سب سے پہلے نماز عشاء ادا کی پھر استقبالیہ جلسہ ہوا جو رات کو گیارہ بجے تک چلا، اس کے بعد کچھ کھانا کھایا ۱۲ بجے بخار آ گیا۔ دو بجے سردی لگی اور پلنگ کمرے کے اندر لایا رضائی اوڑھ لی وغیرہ۔

اس مکتوب میں امام موصوف نے بیان کو تجریدی سے زیادہ حقیقی بنا کر پیش کیا ہے جزئیات تک کا بیان بحسن وخوبی کیا ہے۔

علاوہ اس کے امام موصوف نے اس مکتوب میں اپنے گردوپیش کے بارے میں تاثرات بھی قلمبند کئے ہیں مثلاً اول شب بخار و سردی میں مبتلا رہے۔ لیکن بڑی دل پذیری کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگلے دن اللہ کے فضل وکرم اور مولانا کی دعا

سے خوب پسینہ آیا اور بخار اتر گیا وغیرہ۔اس طرح اس مکتوب میں بیانیہ نثر کے ساتھ تاثراتی نثر کا نمونہ بھی پایا جاتا ہے۔

اس خط میں ایک بات یہ قابل توجہ ہے کہ موٹر بازار سے گذری مگر بازار کی کسی شی کا ذکر نہیں کیا لیکن ٹھنڈی سڑک پر لگے پیڑوں کی تصویر کشی ضرور کی۔تو واضح ہو کہ یہ ایک ایسے عالم دین کا خط ہے جو بازاروں اور ہنگاموں میں جانا نہیں پسند کرتے تھے۔اور اگر بمجبوری گذرنا بھی پڑا تو بازار کی رنگینیوں اور ہنگاموں کی طرف توجہ نہیں دی۔اس لئے اس خط میں امام احمد رضا نے یہ بھی اشارہ کردیا ہے کہ ''شر البقاع اسواقہا'' سے نفور رہوں۔

تاثراتی نثر:

ا۔مکتوب بنام مولانا محمد ظفر الدین بہاری:

''۲۲ ذی قعدہ سے آج ۲۲ ربیع الاول تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی۔مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے۔۱۱ محرم شریف سے بارے حاضری کا شرف پاتا ہوں، لوگ بازو پکڑ کر لے جاتے ہیں نقاہت وضعف اب بھی بشدت ہے، دعاء کا طالب ہوں۔اس بیماری میں ''المنک'' ۱۹۱۸ء منگائی یاد نہ رہی نومبر میں منگائی، جواب ملا کہ ہو چکی ۱۵ دن کے بعد آئے گی، جسے ایک مہینہ سے زیادہ ہو چکا۔شملے لکھا کہ شاید وہاں ہو، آج وہاں سے بھی جواب آگیا۔آپ نے اگر لی ہو تو ۲۰، ۲۵ روز کے لئے بھیج دیجئے مگر فوراً والسلام بچیوں کو دعا''[۱۰۳]

اس مکتوب میں امام موصوف اپنی علالت کے سبب مسجد کی حاضری سے محرومی پر اپنے تاثرات تاسف کے ساتھ پیش کرتے ہیں کرسی پر بیٹھ کر جمعہ کی ادائیگی اور بعد ۱۱ محرم سے بارے شرف حاضری پانے کا بھی ذکر خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے۔

انانیتی نثر:

امام احمد رضا خان نے بھی اپنے بعض مکاتیب میں اپنی ذات کا اظہار کیا ہے۔آپ کے بعض مکتوب انانیتی یا شخصی نثر کے ذیل میں آتے ہیں:

مکتوب بنام مولانا ظفر الدین بہاری:

''بحمدہٖ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳،۱۰،۴ (سوا تیرہ) برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا اگر سات دن اور زندگی بخیر ہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کر سکتا ہے۔احباب سے گذارش ہے کہ اس تاریخ میں جمع ہو کر درود مبارک جو حلقۂ جمعہ میں پڑھا جاتا ہے خواہ کوئی اور درود سو سو بار پڑھیں اور مجلسِ میلاد مبارک منعقد کریں تو بہتر اور رب عزوجل کی اس نعمت کا اعلان کریں کہ قرآنِ عظیم میں اعلانِ نعمت کا حکم ہے اور حدیث شریف میں فرمایا اعلانِ نعمت شکر ہے اور جو کاروائی فرمائیں، فقیر کو اطلاع بخشیں کہ دعائے خیر

زائد کرے۔ والسلام''۱۰۴

اس خط میں امام موصوف نے اپنی ذات کے متعلق کچھ معلومات کا اظہار کیا ہے کہ بہت کم عمر میں انہوں نے فتویٰ نویسی شروع کی تھی اور اب تک فتاویٰ لکھتے ہوئے پچاس سال ہو گئے۔ ممکن ہے اس اظہار سے قاری اس احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے یا اسے امام موصوف کی خودنمائی سمجھ کر ان سے بدگمانی ہو جائے۔۔ لیکن امام موصوف نے اس بات کو شکر الٰہی کی بجا آوری اور میلاد مبارک منعقد کرنے کے حکم سے منسلک کر کے خود کو عاجزی اور انکساری کے ساتھ فقیر کہتے ہوئے پیش کیا ہے اور اس طرح اس اظہارِ انانیت کو تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان کیا ہے۔

امام احمد رضا خان نے اپنے بعض مکاتیب میں اپنی ذات کے بارے میں وضاحت بھی کی ہے مثلاً یہ کہ کون کون سی کتب کب کب مرتب کی؟ انہماک کیا تھا؟ کن کن امراض میں مبتلا رہے؟ ضعف و نقاہت کا عالم بھی بیان کیا ہے بدمذہبوں کے رد میں جوابات لکھنے کی بات بھی کہی ہے وغیرہ۔

بہت سے مکاتیب میں علمی مباحث کئے ہیں اور مسائل بھی لکھے ہیں کسی دینی و علمی مسئلے پر جس کسی عالم کا تعاقب کیا ہے ان کے عجز کے حالات بھی رقم کئے ہیں۔

بعض نمونے ملاحظہ ہوں:

ا۔ ''اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامۃ المسلمین سے اٹھ گیا، فقیر نے بتوفیقِ قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انہوں نے بقدرِ کفایت اخذ کیا۔''۱۰۵

(خط بنام خلیفہ تاج الدین)

۲۔ خط بنام مولانا ظفر الدین بہاری:

''مولوی عبدالباری کو تین رجسٹریاں رسید طلب گئیں، ڈاک کی رسیدیں آگئیں مگر ادھر شہر خموشاں ہے............اور کیوں نہ ہو.................ہاں ایک جواب مولوی سلامت اللہ فرنگی محلی کے نام سے بھجوایا ہے کہ ہم نے خوب تحقیق کر لیا۔ ہم فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے۔''۱۰۶

۳۔ خط بنام مولانا ظفر الدین صاحب:

''کسی عجیب بے ادراک کی تحریر ہے جسے ہیأت کا ایک حرف نہیں آتا، سراپا اغلاط سے مملو ہے آپ نے جو تقویماتِ کواکب لکھیں............خیال ہے کہ بعد صحت ایک مضمون نہ صرف اس کے اغلاط کثیرہ کے بیان میں بلکہ ہیأت جدیدہ کے مسئلہ جاذبیت کے ابطال میں بھی ایوب علی صاحب ہمدم کو بھیج دیں، آپ مناسب جانیں تو آپ کے نام سے ہو اور ہمدم کو چلا

جائے۔''۷۔ا

امام احمد رضا خان کے عہد میں علم توقیت (SCIENCE OF RECKONING AND SCHEDULING OF TIME FOR PRAYERS) کا جاننے والا شاید ہی کوئی رہا ہو۔اسی کے متعلق لکھتے ہیں کہ''اس علم کا احیاء کیا''۔مکتوب نمبر ا کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امام موصوف خود کو علم توقیت کا ماہر سمجھتے تھے جیسا کہ مذکورہ جملہ سے ظاہر ہوتا ہے۔مگر انداز واسلوب کچھ اس طرح کا اپنایا ہے جس سے قطعی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے انانیت کا اظہار بھی کیا ہے۔چنانچہ اسے توفیق خداوندی سے تعبیر کر کے تحدیث نعمت کے طور پر بیان کیا اور یہی حق بھی ہے، بغیر توفیقِ خداوندی ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا اور نہ کسی علم وفن کا کسب وکمال ممکن ہے۔ونیز اسے عطیۂ الٰہی اور امانتِ خداوندی قرار دیکر اسے اھل تک پہنچانے کا ذکر بھی کیا۔اور یہ بھی نظریہ پیش کیا کہ علمِ نافع کی نشرواشاعت ان کے اھل تک ایک عالم ،استاد کے فرائض میں شامل ہے۔

مکتوب نمبر ۲: میں مولوی عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی کی خاموشی کا ذکر ہے جسے امام احمد رضا خان نے استعاراتی زبان میں لکھا ہے کہ''اُدھر شہر خاموشاں ہے''

دراصل مولانا عبدالباری فرنگی محلی صاحب امام احمد رضا کے مخلصین میں سے تھے جب ان سے شرعی لغزش ہوئی تو امام موصوف نے انہیں متوجہ کیا لیکن وہ ضد پر اڑ گئے اور بجائے رجوع کے سوال وجواب کا سلسلہ شروع کر دیا۔امام موصوف نے مسئلہ شرعیہ سے انہیں لاجواب کر دیا تو انہوں نے بجائے رجوع کرنے کے چپ سادھ لی۔اس طرح امام احمد رضا خان نے ان کے تعاقب کی جانب اس مکتوب میں اشارہ کیا ہے جسے ان کا بڑا بول سمجھا جا سکتا ہے لیکن ایسا فی الحقیقت ہے نہیں بلکہ یہ معاملہ احقاقِ حق اور ابطال باطل اور ساتھ ہی اپنے ایک مخلص دوست کو راہِ راست پر لانے کا تھا اور اس حق گو، مردمومن، امام احمد رضا خان نے حق گوئی وبے باکی کا ثبوت دے کر اپنے فریضہ کو انجام دیا بلکہ ایک دوست کے ساتھ حقِ دوستی بھی ادا کیا۔

مکتوب نمبر ۳: البرٹ ایف پورٹا نامی ایک امریکی منجم وہیأت داں کی پیشن گوئی کے بارے میں ہے جس نے نجوم وہیأت کے غلط حساب لگا کر اخبار میں یہ شائع کروادیا تھا کہ سیاروں اور ستاروں کے تصادم سے دنیا میں بالخصوص امریکہ میں قیامت صغریٰ آجائے گی۔امام احمد رضا خان نے جب اس کے حساب اور اس کے نجوم وہیأت کی تھیوری کو جانچا پرکھا تو یکسر غلط پایا۔اسی وجہ سے اپنے مکتوب میں لکھا کہ''وہ تحریر کسی بے ادراک کی ہے جسے علم ہیأت کا ایک حرف بھی نہیں آتا۔''اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ سائنس کی نظریہ جاذبیت (THEORY OF GRAVITATION) کے رد میں بھی لکھیں گے اس لئے کہ قرآن وسنت کی رو سے یہ سائنسی نظریہ غلط ہے۔امام احمد رضا خان نے اس خط کے ذریعہ البرٹ ایف پورٹا کے نظریات اور پیش گوئی نیز نظریۂ جاذبیت کے رد کی طرف صرف اشارہ ہی نہیں کیا بلکہ اس کے رد میں ایک رسالہ بھی تحریر کرنے کا

عندیہ بھی دیا۔ چنانچہ انہوں نے بعد میں درج ذیل دو رسائل تحریر کئے۔

۱) معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین (البرٹ ایف پورٹا کے رد میں)

۲) فوز مبین در رد حرکت زمین (حرکت زمین اور نظریہ جاذبیت کے رد میں) وغیرہ۔

شانِ ادبیت:

مکاتیب، نثری ادب کی وہ صنف ہے جو ماسوائے بعض کے اضطراری ہے۔ اختیاری ادب میں تو قلمکار کو انشاء پردازی کے جلوئے اور ادبیت کی شان دکھانے کا خوب خوب موقعہ ملتا ہے لیکن برعکس اس کے اضطراری ادب میں ایسا نہیں ہوتا۔ نجی مکتوبات میں سادگی اور برجستگی ہوتی ہے اور یہی اس کا حسن ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد اپنے مجموعہ مکاتیب ''غبار خاطر'' کو نجی خطوط کہتے ہیں مگر وہ خطوط نہیں معلوم ہوتے ان پر علمی مقالات یا ادبی مضامین کا گمان زیادہ گذرتا ہے۔

مکاتیب کے اسلوب کے بارے میں ''ڈراوتھی آسبرن'' اور مولانا سید سلیمان ندوی کی تحریرات ابتداء میں پیش کی جا چکی ہیں لٰہذا یہاں اس سلسلے میں زیادہ بحث کی گنجائش نہیں کہ سادگی، سلاست، عدم تصنع و بے تکلفی اور برجستگی ہی میں مکاتیب کا حسن نظر آتا ہے اور یہی اس کی خوبصورتی اور نظری حسن ہے۔

امام احمد رضا خان کے مکاتیب بھی سادگی، سلاست اور بیساختگی کے نمونے ہیں البتہ کوئی کوئی مکتوب ایسا بھی نظر آتا ہے جس میں ادبیت کی ایک مخصوص شان نظر آتی ہے مثلاً مولوی عرفان بسمل پوری کے نام امام احمد رضا خان کا مکتوب ملاحظہ ہو:

''میرا ارادہ ضرور ہے کہ ؎

یہ سر ہو اور وہ سنگِ در وہ سنگِ در ہو اور یہ سر
رضا وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

وقتِ مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند، مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔'' ۱۰۸

امام احمد رضا خان کے عہد میں مقفٰی و مسجع عبارت لکھنے کا رواج عام تھا اسی عہد میں سر سید نے نثر عاری کو رواج دینا شروع کیا۔ امام احمد رضا خان نے بھی اسی عہد میں زبان اردو کو زمینی مسائل سے جوڑا اور نثر عاری و استدلالی نثر کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

امام احمد رضا خان کے مکتوبات میں القاب و آداب اور سلام و پیام میں مقفٰی و مسجع نثر کے نمونے ضرور پائے جاتے

ہیں لیکن مضمونِ مکتوب میں نثر عاری اور استدلالی نثر ہی کے نمونے ملتے ہیں حسب ذیل دو مثالیں ملاحظہ ہو:

ا۔''بشرف ملاحظہ والائے حضرت بابرکت جامع الفضائل لامع الفواضل، شریعت آگاہ طریقت دستگاہ سلامِ مسنون نیازِ مشحون مجلسِ ہمایوں .... کسی مسئلہ دینیہ شرعیہ میں انکشاف حق کیلئے نفوسِ کریمہ جن جن صفات کے جامع درکار ہیں بفضلہٖ عزوجل ذاتِ والا میں وہ سب آشکار ہیں۔علم وفضل ،انصاف ،عدل ،حق گوئی ،حق جوئی ،حق دوستی،حق پسندی، پھر بحمدہ تعالیٰ غلامی خاص بارگاہِ بے کس پناہِ قادریت جناب کو حاصل اور فقیر کا منہ تو کیا قابل ہاں سرکار کا کرم ضرور شامل ۱۰۹؁

(خط بنام مولانا انوار اللہ صاحب)

۲۔'' کاغذ کے نمونے آگئے واقعی بہت گراں ہیں۔حاجی عیسیٰ صاحب گئے،مولوی امجد علی صاحب کے آنے پر رائے معلوم ہوگی۔جن کے پاس مال ہے انہیں دین کا کم خیال ہے اور جنہیں دین سے غرض ہے افلاس کا مرض ہے .... ایک ظفر الدین کدھر، کدھر جائیں اور ایک لعل خان کیا کیا بنائیں .... ۱۱۰؁

(خط بنام مولانا ظفر الدین صاحب بہاری)

غالب کا رنگ

یوں تو امام احمد رضا خان کا اظہار بیان منفرد ہے باوجودیکہ مکتوب میں انشاء پردازی کے لحاظ سے کہیں کہیں مرزا غالبؔ سے مماثلت نظر آتی ہے ان کے ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

نواب انوار الدولہ شفیق کے نام ہے۔

'' نہ تم میری خبر لے سکتے ہو نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں، اللہ، اللہ، اللہ، دریا سارا تیر چکا ہوں، ساحل نزدیک ہے۔دو ہاتھ لگائیں اور بیڑا پار ہے۔''۱۱۱؁

مرزا غالبؔ کی مکتوب نگاری کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مکاتیب میں ہم قوافی الفاظ کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں جس کی وجہ سے تحریر میں جاذبیت اور چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔مثال کے طور پر مذکورہ اقتباس میں ''مدد دے سکتا ہوں''، ''سارا تیر چکا ہوں'' تحریر میں ایسے الفاظ کی صوتی آہنگ سے لطف وکشش کا احساس ہوتا ہے۔یہ خصوصیت امام احمد رضا کے مکاتیب میں بھی بدرجۂ اتم موجود ہے ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو:

یہ مکتوب حضرت علامہ شاہ عبدالسلام کے نام ہے۔

.... دعائے جناب واحباب سے غافل نہیں اگرچہ منہ دعاء کے قابل نہیں اپنے عفو وعافیت کے لئے طالب دعاء ہوں کہ سخت محتاج دعائے صلحاء ہوں۔اجل نزدیک اور عمل رکیک وحسبنا اللہ۔''۱۱۲؁

صوتی آہنگ کے لئے امام موصوف نے بھی ہم قوافی الفاظ کا التزام برتا ہے مثلاً جناب، احباب، غافل نہیں، قابل نہیں، طالب دعاء ہوں بحتاجِ دعائے صلحا ہوں، اجل نزدیک عمل رکیک۔'' ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا خان نے نثر میں شاعری کی ہے پڑھنے والا محفوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس طرح یہ کہنے میں بھی ذرا تامل نہیں ہونا چاہئے کہ مکاتیب امام احمد رضا خان میں علم وعرفان کی فضا دلکشی کے ساتھ ملتی ہے۔

جذبات نگاری

امام احمد رضا کی پوری تصانیف شاہد ہیں کہ آپ کی حیات کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالم (ﷺ) کے عشق ومحبت میں بسر ہوتا رہا۔ آپ کا شمار عاشقان رسول اللہ (ﷺ) کے اماموں میں ہوتا ہے۔ آپ کے مکاتیب کے توسط سے جذبات نگاری کی دلکشی اور اثر آفرینی کے جوہر کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ بات کرنے کا ڈھنگ ایسا ہے کہ دل میں اثر کر جاتی ہے۔ امام موصوف کو حضور اکرم (ﷺ) سے کس قدر الفت ومحبت ہے اس کا اندازہ تو ان کے نعتیہ مجموعے کے مطالعہ سے ہوتا ہی ہے تاہم ان کی دیگر تصانیف کے علاوہ ان کے مکاتیب میں بھی ایسے ادبی شہ پارے موجود ہیں جن میں ان کا نصب العین، عقائد اور تبلیغ دین کی خدمت کے لئے اظہارِ مدعا تلاش کیا جاسکتا ہے۔ ان سب خوبیوں سے آراستہ ہونے کے باوجود انکساری کا یہ عالم کہ اپنے مخالفین سے بھی فقیرانہ انداز میں مخاطب ہوتے ہیں اس سلسلے میں مولوی اشرف علی تھانوی کے نام ایک مکتوب میں معترضین کا جواب نہایت ادیبانہ انداز میں دیا ہے، ملاحظہ ہو۔

''ایسے وقائع بکثرت ہیں اور اب جو صاحب چاہیں امتحان فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ ذاتی حملوں پر کبھی التفات نہ ہوگا، سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے کہ عزتِ سرکار کی حمایت کروں نہ اپنی۔ میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افتراء کرتے، برا کہتے ہیں اتنی دیر محمد رسول اللہ (ﷺ) کی بدگوئی، منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں۔ میں چھاپ چکا اور پھر لکھتا ہوں میری آنکھ کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ میری اور میرے آبائے کرام کی آبروئیں عزتِ محمد رسول اللہ (ﷺ) کیلئے سپر رہیں۔ اللھم آمین۔''[۱۳]

امام احمد رضا خان کی اس تحریر کا اسلوبِ بیان دل کی گہرائیوں اور احساسات کی رگ رگ میں پیوست ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول (ﷺ) کی محبت کے خوابیدہ احساسات بیدار کرتا ہے۔ ان کی نگارش کا خاصہ اور نصب العین یہی ہے کہ مکتوب الیہ یا دیگر قارئین کو اسلام کا حقیقی اطاعت گذار اور شرعِ متین کا پابند بنانے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم (ﷺ) کی عظمت کا سکہ ان کے دلوں میں بٹھایا جائے۔ اپنے دشمنوں کے سلسلے میں بھی کوئی دل آزاری کا جملہ نہیں لکھتے بلکہ اصلاح کا یہ طریقہ اپناتے ہیں کہ ''میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افتراء کرتے، برا کہتے ہیں اتنی دیر

محمد رسول اللہ (ﷺ) کی بدگوئی، منقصت گوئی سے غافل رہتے ہیں''۔ یہ تحریر ایک سچے عاشق رسول (ﷺ) کی ہے جس کی پوری زندگی عشق واتباع رسول ﷺ میں گذری۔ مکتوب کا ایک ایک لفظ عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

امام احمد رضا خان کے مکتوبات میں نثر کی چاروں بڑی قسمیں پائی جاتی ہیں ان کے مکاتیب میں موضوعات کا ایسا تنوع ہے کہ ادائے خیالات اور اظہارِ احساسات کے لئے موزوں اسالیب ملتے ہیں۔

امام احمد رضا خان کی انشاء پردازی
ملفوظات کے آئینے میں

اولیاء کرام، بزرگان دین، صوفیاء عظام اور علماء ربانیین اپنے معتقدین، متوسلین مریدین اور شاگردوں سے اپنی مختلف مجالس میں علمی وروحانی موضوعات پر جو گفتگو فرماتے ہیں اور حاضرین مجلس میں سے کوئی شخص ان اقوال وارشادات کو ضبطِ تحریر میں لاکر مرتب کرتا ہے تو ان مرتب شدہ یاداشتوں کو اصطلاحِ عام میں ملفوظ کہتے ہیں۔

یوں تو ملفوظات کو عہد پارینہ سے ہی اہمیت ومقبولیت حاصل رہی ہے لیکن ازمنۂ وسطیٰ میں اسلام اور اس کے روحانی اقدار کے فروغ خصوصاً تصوف کی تعلیم وتربیت کے پھیلاؤ نے ملفوظات کی اہمیت کو بہت بڑھایا۔ ملفوظات کا شمار عام طور سے کتبِ تصوف میں ہوتا ہے۔ بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کے ملفوظات کا مجموعہ "انوار المجالس"، شیخ المشائخ ابوسعید فضل اللہ کے ملفوظات کا مجموعہ "سخنانِ ابوسعید" اور ملفوظات نجم الدین کبریٰ" وغیرہ اولین متقدمین کے ملفوظات سے ہیں۔

ملفوظات پر مشتمل نگارشات متحدہ ہند میں ساتویں صدی ہجری کے اختتام کے فوراً بعد مرتب ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ مگر فنِ ملفوظات کو باضابطہ مخصوص رنگ وآہنگ دینے اور اسے دینی حلقوں میں رائج کرنے کا سہرا حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کے خلیفہ امیر حسن علاء سنجری کے سر جاتا ہے جنہوں نے ۳/ شعبان، ۷۰۷ھ سے اپنے پیرومرشد (م ۷۲۵ھ) کے فرمودات، ارشادات کو ضبطِ تحریر میں لانا شروع کیا۔

حسن سنجری کے بعد یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا اور بیشتر صوفیاء کرام وعلماء عظام کے ملفوظات معرضِ وجود میں آنا شروع ہوگئے۔ "تحفۃ الابرار وکرامۃ الاخیار" مرتب خواجہ عزیز الدین صوفی، "دُرِّ نظامی" مرتب مولانا علی بن محمود جاندار، "حسن الاقوال" مرتب عماد الدین کاشانی، "سرور الصدور نور البدور" شیخ صدر الدین کے ملفوظات، "کنز الفوائد" مرتب شیخ ضیاء الدین، سید جلال الدین معروف بہ خزانۂ جلالی مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے مجموعے "جامع العلوم"، "مناقبِ مخدوم جہانیاں"، "خزانۂ جلالی"، "جواہر جلالی" "مظہر جلالی وغیرہ، شاہ غلام علی مجددی کے ملفوظات، سید محمد گیسودراز کے اقوال وملفوظات کا مجموعہ "جوامع الکلم" جسے ان کے صاحبزادے نے مرتب کیا، شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور دیگر اہل تصوف کے ملفوظات کہیں نہ کہیں موجود ہیں۔ بیشتر فارسی ملفوظات کے اردو میں ترجمے بھی ہوئے ہیں۔

اسی طرح بیسویں صدی کے اوائل میں اردو ملفوظات غوث علی شاہ قلندر پانی پتی (۱۲۹۱ھ۔۱۲۹۷ھ) کے ملفوظات کا مجموعہ "تذکرۂ غوثیہ"، مولوی اشرفعلی تھانوی کے ملفوظات، "الافاضات الیومیہ"، "القول الجلیل" مولانا حسین احمد مدنی کے ملفوظات مولانا الیاس کے ملفوظات، مولانا ابوالکلام کے ملفوظات، ڈاکٹر اقبال کے ملفوظات وغیرہ، مطبوعہ وغیر مطبوعہ ملتے

ہیں۔۱۱۴

اسی سلسلے کی کڑی امام احمد رضا خان کے ملفوظات بھی ہیں جنہیں ان کے خلف اصغر علامہ مفتی مصطفیٰ رضا خان برکاتی نوری نے ۱۳۳۸ھ میں مرتب فرمایا جس کا نام ''الملفوظ'' رکھا جو ۴ حصوں پر مشتمل ہیں۔

ملفوظ اور تحریر کے اندازِ بیان میں فرق ہے انسان لکھتا ہے تو فقروں اور جملوں کو سنوارتا ہے عبارت آرائی کرتا ہے اور اس طرح مضمون یا موضوع کے اعتبار سے توضیحی یا تخلیقی نثر کو برتتے ہوء انشاء کا حسن دکھاتا ہے۔لیکن ملفوظ کا انداز اس سے بہرحال جداگانہ ہے نجی گفتگو، مجلسی گفتگو وغیرہ میں عام بول چال ہی میں گفتگو کی جاتی ہے۔ ہاں علمی یا ادبی سوال کے جواب میں علیت اور ایک حد تک ادبیت ضرور رہوتی ہے۔امام احمد رضا خان ایک علمی وادبی شخصیت کے مالک تھے ان کے ملفوظات صرف دو سال اور چند ماہ کے ہیں۔ان میں فقہ، حدیث، تفسیر اور دوسرے دینی، مذہبی امور پر بحث و گفتگو بھی ہے۔تصوف کے مسائل بھی ہیں علاوہ ان کے مختلف نقلی و عقلی علوم وفنون اور لسانیاتی گوشے، حکایات اور چند اشعار کی تشریحات بھی موجود ہیں۔امام احمد رضا خان کے دوسرے حج وزیارت کے سفر کا بیان بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔

۱۔ایک دعوت میں امام احمد رضا خان کے ساتھ مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا حمید اللہ پیشاوری اور مولانا حکیم امجد علی شریک تھے بریلی کے پانی کی بات نکلی تو آپ نے مدینہ منورہ کے پانی کی بابت فرمایا:

''میں نے مدینہ طیبہ سے بہتر پانی کہیں نہ پایا خدام کرام حاضرین بارگاہ کے لئے زورقوں میں پانی بھر کر رکھتے ہیں۔گرمی کے موسم میں اس شہر کریم کی ٹھنڈی نسیمیں اتنا سرد کر دیتی ہیں کہ بالکل برف معلوم ہوتا ہے۔عمدہ پانی کی تین قسمیں ہیں اور وہ تینوں اس میں اعلیٰ درجہ پر ہیں۔ایک صفت یہ کہ ہلکا ہو، اور وہ پانی اس قدر ہلکا ہے کہ پیتے وقت حلق میں اس کی ٹھنڈک تو محسوس ہوتی ہے اور کچھ نہیں، اگر خنکی نہ ہو تو اس کا اترنا بالکل معلوم نہ ہو۔ دوسری صفت شرینی۔وہ پانی اعلیٰ درجہ کا شیریں ہے ایسا شیریں میں نے کہیں نہ پایا۔تیسری خنکی یہ بھی اس میں اعلیٰ درجہ پر ہے''۱۱۵

۲۔''میں درود شریف کی کثرت شب میں اور سوتے وقت کے علاوہ ہر وقت تکثیر رکھے......حصول زیارت اقدس کے لئے اس سے بہتر صیغہ نہیں مگر خالص شان اقدس کے لئے پڑھے اس نیت کو جگہ نہ دے کہ مجھے زیارت ہو۔آگے ان کا کرم بیحد وانتہا۔''

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو وغیرِ او اوتمنائی ۱۱۶

تبصرہ

مندرجہ بالا اقتباسات زبان کی سادگی اور بیان کی روانی کا عمدہ نمونہ ہیں۔نمبر۱ میں مدینہ شریف کے پانی کے

بارے میں امام احمد رضا خان نے جو فرمایا ہے۔اس میں ان کی عقیدت ومحبت تو کارفرما ہے لیکن اپنی بات انہوں نے واضح انداز میں دلیل کے ساتھ پیش فرمائی ہے۔

پانی کے تین صفات بیان کی ہیں ہلکا اوراس کے تعلق سے مدینہ منورہ کے پانی کا ہلکا ہونا ثابت کیا ہے۔شیرینی۔پھر اس کا بھی تجزیہ پیش کیا ہے۔خنکی اوراس کا بھی اپنا تجزیہ بیان کیا ہے۔یہاں بیان تخیلی سے زیادہ حقیقی ہے۔تاثرات میں جزئیات کا بھی بیان ہے۔

یہ اقتباس وضاحت،استدلال اور ایجاز واختصار کا مرقع ہے۔

نمبر۲۔درود شریف کی کثرت کا ذکر ہے۔مختصر سی عبارت میں شعری وفضا کے اہتمام نے نثر کو پرکاری سے مزین اور سادہ نثر کا نمونہ بنادیا ہے۔

۳۔اللہ کا لفظ مرکب ہے یا مفرد؟

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''مشہور یہ ہے کہ''ال''لامِ تعریف اور الہ سے مرکب ہے۔ہمزہ کی حرکت لام کو دے کر اس کو حذف کردیا اور لام کو لام میں ادغام کردیا لفظ اللہ ہو گیا مگر مجھے دوسرا قول پسند ہے کہ لفظ اللہ مرکب نہیں بلکہ بہیت کذائیہ علم ہے ذات باری کا کہ جس طرح اس کی ذات غیر مرکب ہے اسی طرح اس کا نام بھی غیر مرکب ہونا چاہئے اوران کا مؤید اس کا طرز استعمال بھی ہے کہ وقت ندا اس کا الف نہیں گرتا۔یا اللہ میں ایسا نہیں ہوتا کہ ہمزہ اورالف گر کر''ے''لام میں مل جائے۔اگر لام تعریف ہوتا تو ضرور ایسا ہوتا کہ اس کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے اور منادی یا مُعَرّف باللام کے پہلے''ایُّھا''زیادہ کرتے ہیں،یہاں حرام ہے اور اگر معنی کا تصور کر کے ہو تو کفر ہے ایھا کے معنی ہوتے ہیں ایک مبہم ذات جس کا بیان آگے ہے وہاں ابہام کیسا............''[۱۷]

یہ ارشاد خالص علمی ہے۔توضیح،استدلال،قطعیت،ایجاز واختصار اس نثر کی خوبی ہے۔

۴۔امام احمد رضا خان سے سوال کیا گیا''دائرۂ دنیا کہاں تک ہے''؟

جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

''ساتوں آسمان ساتوں زمین دنیا ہے اوران سے وراسدرۃ المنتہٰی،عرش وکرسی،دارِآخرت ہے(پھر فرمایا)دارِدنیا شہادت ہے اوردارِآخرت غیب۔غیب کی کنجیوں کو مفاتیح اورشہادت کی کنجیوں کو مقالید کہتے ہیں۔قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے۔''وعندہ مفاتیح الغیب لایعلمھا الاھو'' اللہ ہی کے پاس ہیں غیب کی مفاتیح(کنجیاں)ان کو خدا کے سوا کوئی(بذات خود)نہیں جانتا،اوردوسری جگہ فرمایا ہے''لہ مقالید السمٰوٰت والارض''،خدا ہی کے لئے ہیں مقالید

(کنجیاں) آسمان وزمین کی۔اور مفاتیح کا حرف اوّل (م)وحرف آخر(ح)اور مقالید کا حرف اوّل (م)وحرف آخر(د)انہیں مرکب کرنے سے نام اقدس ظاہر ہوتا ہے محمد (ﷺ)۔اس سے یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ غیب وشہادت کی کنجیاں سب دے دی گئی ہیں محمد رسول اللہ (ﷺ) کو،کوئی شئی ان کے حکم سے باہر نہیں۔

دوجہاں کی بہتریاں نہیں کہ امانیِ دل وجاں نہیں

کہو کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہ ہاں نہیں

اور یا تو اس طرف اشارہ ہوسکتا ہے مفاتیح ومقالیدِ غیب وشہادت سب حجرۂ خفایا عدم میں مقفل تھیں وہ مفتاح ومقلاد جس سے ان کا قفل کھولا گیا اور میدانِ ظہور میں لایا گیا وہ ذاتِ اقدس محمد رسول اللہ (ﷺ) کیکہ اگر یہ تشریف نہ لاتے تو سب اسی طرح مقفل حجرۂ عدم یا خفا میں رہتے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے ۱۱۸

یہ اقتباس بھی وضاحت،استدلال،قطعیت اور ایجاز کا نمونہ ہے کہیں کوئی ابہام نہیں۔شعری فضا کا اہتمام بھی ہے مضمون علمی ہے مگر علمی بیان میں عشق کی آمیزش نے وقار کے ساتھ جمال بھی پیدا کردیا ہے۔قرآنی آیات کو اس طرح ضم کیا ہے کہ وہ نثر کا جزو بن گئی ہیں۔

۵۔تصوف کے اہم مسئلہ ''وحدت الوجود'' کے معنی اور صاحبِ مرتبہ کے لئے ہر جگہ اللہ ہی اللہ نظر آنے کے سلسلے میں ''الملفوظ'' سے یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔

''وجود ہستی یا ذات واجب اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے سوا جتنی موجودات ہیں سب اسی کے ظل ،پرتو ہیں تو حقیقتاً وجود ایک ہی ٹھہرا''

اس میں شامل دوسرے سوال کا جواب دیکھئے:

''اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جو شخص آئینہ خانہ میں جائے وہ ہر طرف اپنے آپ ہی کو دیکھے گا۔اس لئے کہ یہی اصل ہے اور جتنی صورتیں ہیں سب اسی کے ظل ہیں۔مگر یہ صورتیں ان کی صفاتِ ذات کے ساتھ متصف نہ ہوگی۔مثلاً سننے والی دیکھنے والی وغیرہ وغیرہ نہ ہوں گی۔اس لئے کہ یہ صورتیں صرف اس کی سطحِ ظاہری کی ظل ہیں ذات کی نہیں اور سمع وبصر ذات کی صفتیں ہیں سطحِ ظاہر کی نہیں۔لہٰذا جو اثر ذات کا ہے وہ ان ظلال میں پیدا نہ ہوگا۔بخلاف حضرتِ انسان کے کہ یہ ظلِ ذاتِ باری تعالیٰ ہے لہٰذا ظلالِ صفات سے بھی حسب استعداد بہرہ ور ہے''۱۱۹

یہ توضیحی نثر اور بیانیہ نثر دونوں کا امتزاج ہے تصوف کے تعلق سے مضمون کو سادہ زبان میں مثال دے کر سمجھایا گیا

ہے عبارت ابہام اشکال سے پاک ہے۔

٦۔ ''روح ایک پرند ہے اور جسم پنجرہ۔ پرند جس وقت تک پنجرہ میں ہے اس کی پرواز اسی قدر ہے جب پنجرہ سے نکل جائے اس وقت اس کی قوت پرواز دیکھئے۔''۱۲۰

مختصر سی عبارت میں تشبیہات کا حسن بھی ہے اور استدلال بھی۔ عبارت یا دونوں جملے خالص علمی ہیں لیکن کوئی لفظ ادق نہیں ہے اور سادگی زبان وروانی بیان خوب ہے۔

۷۔ امام احمد رضا خان نے اپنے دوسرے حج وزیارت کی جو زبانی روداد بیان فرمائی تھی وہ بھی ''الملفوظ'' میں شامل ہے جو تقریباً ۴۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس سفرنامے سے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں:

الف۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کے سفر کا حال بیان فرماتے ہیں:

''پہلی رات کہ جنگل میں آئی صبح کے مثل روشن معلوم ہوتی تھی جس کا اشارہ میں نے اپنے قصیدہ حضور جانِ نور میں کیا جو حاضریِ دربارِ معلی میں لکھا گیا تھا ؎

وہ دیکھو جگمگاتی ہے شب اور قمر ابھی

پہروں نہیں کہ بست وچہارم صفر کی ہے

جدہ سے کشتی میں سوار کوئی تیس چالیس آدمی اور ہوں گے۔ کشتی بہت بڑی تھی جسے ساعیہ کہتے ہیں۔ اس میں جہاز کا سا مستول تھا۔ ہوا کے لئے پردے حسب حاجت مختلف جہات پر بدلے جاتے۔ حبشی ملاح کہ اس کام پر مقرر تھے ان کو کھولنے باندھنے کے وقت اکابر اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عجب اچھے لہجے سے ندا کرتے جاتے۔ ایک حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو دوسرا حضرت سیدی احمد کبیر کو، تیسرا حضرت سیدی احمد رفاعی کو، چوتھا حضرت سیدی اہدل کو، علیٰ ہذا القیاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ہر کشش پر ان کی یہ آوازیں عجیب دل کش لہجے سے ہوتیں اور بہت خوش آتیں۔''۱۲۱

''واللہ اعلم وہ کیا بات تھی جس نے حضراتِ کرام مدینہ طیبہ کو اس ذرۂ بے مقدار کا مشتاق کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ مولانا کریم اللہ صاحب فرماتے تھے کہ ''علماء تو علماء اہل بازار تک کو تیرا اشتیاق تھا'' اور یہ جملہ فرمایا کہ ''ہم سالہا سال سے سرکار میں مقیم ہیں اطراف وآفاق سے علماء آتے ہیں (واللہ یہ لفظ تھا) کہ جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں کوئی بات نہیں پوچھتا اور تمہارے پاس علماء کا ہجوم ہے''۔ میں نے عرض کی کہ میرے سرکار کا کرم ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ؎

کریماں کہ در فضل بالاترند سگاں پرورند چناں پرورند

اپنے کرم کا جب وہ صدقہ نکالتے ہیں ہموں کو پالتے ہیں اور ایسا پالتے ہیں ۱۲۲

''جدہ پہنچ کر جہاز تیار ملا، بمبئی کے ٹکٹ بٹ رہے تھے خریدے اور روانہ ہوئے۔ جب عدن پہنچے معلوم ہوا کہ جہاز

والے نے کہ رافضی تھا دھوکا دیا، عدن پہنچ کر اعلان کیا کہ جہاز کراچی جائے گا۔ ہم لوگوں نے قصد کیا کہ اتر لیں اور بمبئی جانے والے جہاز میں سوار ہوں۔ اتنے میں انگریز ڈاکٹر آیا اور اس نے کہا بمبئی جانے والوں کو قرنطینہ میں رہنا ہوگا۔ ہم نے کہا اس مصیبت کو کون جھیلے گا اس سے کراچی ہی بھلی۔ راستہ میں طوفان آیا اور ایسا سخت کہ جہاز کا لنگر ٹوٹ گیا سخت ہولناک آواز پیدا ہوئی مگر دعاؤں کی برکت کہ مولیٰ تعالیٰ نے ہر طرح امان رکھی''۱۲۳

الف، ب، ج تینوں اقتباسات روداد سفر سے لئے گئے ہیں اس میں واقعہ نگاری ہے۔''پہلی رات کہ ....روشن معلوم ہوتی تھی''۔ نگارش میں خوبصورتی ہے تشبیہ کا استعمال بھی ہے اور شعری فضا کا اہتمام بھی۔ کشتی پر سوار ہونے، کشتی کی ساخت، مستول اور پردوں یہاں تک حبشی ملاحوں کی ندا وغیرہ کا بیان تجریدی سے زیادہ حقیقی ہے اور یہی بیانیہ نثر کی خوبی ہے۔ ب۔ میں امام موصوف نے اپنی ذات کا اظہار بھی کیا ہے لیکن بالواسطہ مولانا کریم اللہ صاحب کے اور اس طرح اسلوب بیان میں اظہار ذات یا انانیت واضح ہوتے ہوئے بھی غیر واضح ہے اور یہ انداز خوبصورت ہے اور دل پذیر بھی۔ دراصل امام احمد رضا خان نے تحدیث نعمت کی طور پر بیان کیا ہے کہ یہ سب ان کے آقا (ﷺ) کا کرم ہے اور اس کرمِ مصطفائی کو عالم اسلام تک ابلاغ کے لئے فارسی کے شعر (جس کی اردو میں ترجمانی بھی کر دی ہے) کے توسط سے ظاہر بھی فرما دیا ہے۔

اس میں تاثرات کا اظہار ہے''یعنی سرکار کا کرم ہے''۔''واللہ تعالیٰ اعلم وہ کیا بات تھی............مشتاق کر رکھا تھا''۔

ج۔ میں بھی اندازِ بیان دل پذیر ہے۔ راستے میں طوفان کے آنے، لنگر کے ٹوٹ جانے اور پھر دعاؤں کی برکت سے امن وامان میں رہنے، وغیرہ میں جزئیات کا بھی بیان ہے''جہاز والے نے دھوکا دیا'' کہہ کر تاثرات کا اظہار بھی کیا ہے۔

یہ تینوں اقتباسات۔ بیانیہ تاثراتی اور انانیتی نثر کے اچھے نمونے ہیں۔ ان کے بیانیہ اسلوب کی خوبی یہ ہے کہ تینوں اقتباسات میں ایک، ایک واقعہ کے بیان میں ان کی تصویر کشی کے لئے متعدد افعالِ حرکی (ACTION VERBS) استعمال کئے ہیں۔

بہر کیف''الملفوظ'' میں انشاء کا حسن پیدا کرنا، سخت دشوار تھا تاہم امام موصوف اس میں کامیاب ہیں۔

امام احمد رضا خان کی انشاء پردازی
دیگر نثری تحریروں کے آئینے میں

فتاوٰی رضویہ کے حوالے سے امام احمد رضا خان کے فقہی اسلوب نیز انشاء پردازی کا جائزہ پیش کیا گیا۔امام موصوف نے متعدد نقلی و عقلی علوم وفنون پر کتب رسائل لکھے ہیں۔حدیث، تفسیر، عقائد وکلام، تصوف اور دیگر مذہبی علوم کے باوصف ان کے یہاں سائنس، ریاضی، فلسفہ، منطق اور دوسرے عقلی علوم نیز عمرانی وتجارتی علوم کے تعلق سے اسالیب کے نمونے موجود ہیں۔طنز وتعریض بھی ہے۔لہٰذا چند علوم کے تعلق سے اسالیب کے نمونے نیز توضیحی، بیانیہ، تاثراتی، انانیتی نثر کے نمونے بھی پیش کئے جائیں گے۔ البتہ آسانی کے لئے نثر کی ان چاروں بڑے اقسام کو توضیحی اور تخلیقی نثر (تاثراتی، بیانیہ، انانیتی) کے خانے میں تقسیم کررہے ہیں مقفّی ومسجع عبارتوں یا نثر کے جلوے بھی پیش کئے جائیں گے۔

توضیحی نثر:

ا۔''شریعت ہی اصلِ کار ہے، شریعت ہی مناط و مدار ہے، شریعت ہی محک و معیار ہے۔شریعت راہ کو کہتے ہیں اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کا ترجمہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی راہ۔یہ قطعاً عام ومطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص۔یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت بلکہ ہر نماز، بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اس پر ثبات واستقامت کی دعاء کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ اهدنا الصراط المستقیم۔ہم کو محمد (ﷺ) کی راہ پر چلا۔ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔قرآن عظیم میں فرمایا۔ان ربی علی صراط مستقم۔بے شک اس سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بددین گمراہ ہے''۔۱۲۴

۲۔''شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا ایک دریا، بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے۔منبع سے پانی نکل کر، دریا بن کر جن زمینوں پر گذرے انہیں سیراب کرنے میں اسے منبع کی احتیاج نہیں۔نہ اس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت، مگر شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے۔منبع سے اس کا تعلق ٹوٹے تو یہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لئے مدد موقوف ہو جائے گی''۔۱۲۵

دونوں اقتباسات میں سے ایک میں شریعت کی حقیقت واضح کی ہے اور دوسرے میں دونوں کا موازنہ۔ پہلے میں قرآن مقدس کی روشنی میں شریعت کو اصل ثابت کیا ہے اور پھر شریعت اور طریقت کا موازنہ پیش کرتے ہوئے طریقت کو ہمہ وقت اور بہر حال شریعت کا محتاج ثابت کیا ہے۔

دونوں عبارتیں۔وضاحت، استدلال، قطعیت، ایجاز اور اختصار کے خوبصورت اور باوقار نمونے ہیں۔

امام احمد رضا خان کی یہ بھی خوبی ہے کہ کبھی کبھی ادق موضوع پر لکھتے ہوئے اسی میں حسن انشاء کا جلوہ بھی دکھاتے ہیں جیسے اسی شریعت وطریقت کی بحث میں یہ اقتباس دیکھئے:

''شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں، اس کی روشنی بڑھنے کی کوئی حد نہیں۔ زیادت چاہنے، افزائش پانے کے طریقے کا نام طریقت ہے۔ یہ روشنی بڑھ کر صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائقِ اشیاء کا انکشاف ہوتا اور نورِ حقیقی تجلی فرماتا ہے۔ یہ مرتبۂ علم میں معرفت اور مرتبۂ تحقیق میں حقیقت ہے، تو حقیقت میں وہی ایک شریعت ہے کہ باختلاف مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔ جب یہ نور بڑھ کر صبح روشن کے مثل ہوتا ہے۔''۱۲۶

مشرکین ہند کو محاربین بالفعل سے جدا رکھنے والے لیڈرانِ ہند کو جواب دیتے ہوئے پہلے قرآنی آیات کی تفسیر اور فقہ کی روشنی میں انہیں سمجھاتے ہیں۔ یہ جواب دیکھئے، خالص فقہی اسلوب ہے:

''بالجملہ عطرِ ارشاداتِ ائمہ ونتیجۂ تنقیحاتِ مہمہ یہ ہوا کہ کریمہ ممتحنہ میں اگر قتال سے قتال بالفعل مراد ہو تو یقیناً آیاتِ کثیرہ سے منسوخ، جس کے نسخ پر تصریحاتِ جلیلہ مذکورہ کے علاوہ ''مبسوط''، ''عنایہ''، ''کفایہ''، ''تبیین''، ''بحرالرائق''، ''ردالمحتار'' کے نصوص کا اضافہ ہوا، یہ جواب اول تھا۔ اور اگر مطلق قتال مقصود کہ ہر حربی غیر معاہد میں موجود، تو ضرور آیتِ محکم اور مشرکینِ ہند کو اس میں داخل نہ کرنا شدید ظلم وستم، یہ جواب دوم ہوا۔ اور یہی مذہب جمہور ومشربِ منصور ومسلکِ ائمۂ حنفیہ صدور ہے۔ مسلم حنفی بننے والی ہندو پرستی نے نہ حنفیت قائم رکھی، نہ حنیفیت نہ مذہب ہی برقرار رکھا، نہ شریعت۔ **ذالک هوالخسران المبین**o **ولاحول ولاقوة الاباللہ العلی العظم**۔ دو جواب تو یہ ہوئے۔''۱۲۷

اس اقتباس میں فقہی مصطلحات بھی ہیں اور اسماء کتب بھی۔ عبارت خالص فقہی ہے، توضیح واستدلال سے مزین۔ جمہور، منصور، صدور وغیرہ ہم قوافی الفاظ نے خشک موضوع میں چاشنی پیدا کر دی ہے، حنفیت، حنیفیت، مذہب، شریعت میں بھی یہی انداز ہے۔

اب موصوف کا کمالِ انشاء دیکھئے کہ اس باریک موضوع اور توضیحی نثر ہی کے باب میں طنز وتعریض، ردّ وتردید کے ساتھ بیان کے زور وجوش کا جلوہ دکھاتے ہیں محاورات کی کثرت ہم قوافی الفاظ کا آہنگ اور اندازِ استدلال لائق دید ہے اور عبارت میں خطیبانہ انداز نے حسن وجلال اور وقار برپا کر دیا ہے۔

''ثالثاً وائے غربتِ اسلام وانصاف! کیا کوئی ان سے اتنا کہنے والا نہیں کہ ہندوؤں کے بالفعل محاربین سے بھی تمہیں عداوت کا اقرار، ہاتھی کے دانت ہیں کھانے اور دکھانے کے اور۔ کیا تمہیں نہیں ہو کہ جب وہ محاربیں قاتلین ظالمین کافرین گرفتار ہوئے، ان پر ثبوتِ اشد جرائم کے انبار ہوئے، تمہاری چھاتی دھڑکی، تمہاری ممتا پھڑکی، گھبرائے، تلملائے

،سٹپٹائے، جیسے اکلوتے کی پھانسی سن کر ماں کو درد آئے۔ فوراً گرما گرم دھواں دھار ریز لیوشن پاس کیا ہے، کہ ہے ہے! یہ ہمارے پیارے ہیں، یہ ہماری آنکھ کے تارے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا، جلایا، پھونکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے، یہ ہماری ان کی خانگی شکر رنجی تھی، ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں، یہ ہمارے سگے ہیں، کوئی سوتیا ڈاہ نہیں، ماں بیٹی کی لڑائی دودھ کی ملائی، برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے، ان کے درد سے ہمیں غش پر غش آتا ہے، ان کا بال بیکا ہوا اور ہمارا کلیجہ پھٹا، اللہ ان کو معافی دی جائے، فوراً ان سے درگذر کی جائے۔ یہ ہے آیۂ ممتحنہ پر تمہارا عمل، یہ ہے "الــــذیـــن قــاتـلـو کـم فـی الدین" سے تمہاری جنگ وجدل، یہ ہے واحد قہار کو تمہارا پیٹھ دینا، یہ ہے کلام جبّار سے تمہارا اچھا لینا۔ ان تمہارے سگوں نے قرآن مجید پھاڑے تم نے اس کے احکام پاؤں تلے مل ڈالے۔ انہوں نے مسجدیں ڈھائیں، تم نے رب المسجد کے ارشاد دولتیوں سے کچل ڈالے۔ قرآن چھوڑا، ایمان چھوڑا، مصطفیٰ (ﷺ) سے منہ موڑا اوران کے دشمنوں، ان کے اعداء سے رشتہ جوڑا۔ یہ تمہیں اسلام کا بدلہ ملا" "اف لـکـم بـئـس لـلظلمین بدلا o" اف ہے تم پر ظالموں نے کیا ہی برا عوض پایا۔" [۱۲۸]

کیا وہی انداز نہیں ہے کہ ابوالکلام آزاد کے اسی طرح کے جس انداز پر لوگ سر دھنتے ہیں، مبصرین وناقدین اور جائزہ نگارانِ اردو واہ واہ کرتے سراہتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اولاً تو آزاد صاحب اس طرح کا جلوہ کسی فقہی بحث اور فتویٰ نویسی کے امر میں نہیں دکھاتے بلکہ جلوۂ خطابت اور رنگِ صحافت دکھاتے ہوئے یہ اسلوب اختیار کرتے ہیں، مگر امام احمد رضا خان نے بنجر زمین میں پھول کھلائے ہیں۔ (امام احمد رضا ابوالکلام کی اس کمزوری سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اسلئے ایک جگہ ان کے متعلق فرماتے ہیں۔ "کسی پرچہ اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث وفقہ کا سمجھنا اور، وہ "مِن" کا ترجمہ "سے" اور "الیٰ" کا ترجمہ "تک" کر لینے سے نہیں آتا۔" دوام العیش من الائمۃ من قریش، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد ۱۴، ص ۲۳۲، وجاہت)۔ اور دوسرے پہلو سے دیکھئے تو آزاد صاحب کے ہم عصر ہوتے ہوئے بھی امام احمد رضا خان ان کے پیش رو اور قبل کے لکھنے والے ہیں۔

اب اس نثر کی کچھ خوبیاں دیکھئے:

بیان کا زور وجوش، روانی، طنز وتعریض، نشتریت، تراکیب اور محاورات، کا چابک دستانہ برمحل استعمال، اس نثر کے اوصاف ہیں۔

ہم قوافی الفاظ سے صوتی حسن بھی برپا کیا ہے جیسے، ظالمین، قاتلین، دھڑکی، پھڑکی تلملائے، سٹپٹائے، پیارے تارے وغیرہ۔

تراکیب: رب المسجد، بالفعل محاربین، ثبوتِ اشد جرائم، گو وادق ہیں مگر مضمون کے لحاظ سے بلیغ ہیں۔

محاورات: مامتا پھڑکی، چھاتی دھڑکی، آنکھ کا تارہ، بال بیکا ہونا، کلیجہ پھٹنا
ضرب المثل: ماں بیٹی کی لڑائی، دودھ کی ملائی وغیرہ۔
قرآنی آیات کو اس خوبصورتی سے ضم کیا ہے کہ وہ بھی بیان کے جوش اور روانی کے ساتھ اردو نثر کا حصہ بن گئے ہیں۔

جوش بیان اور طنز و تعریض

امام احمد رضا خان نے دینی مسائل اور علم و ادب وغیرہ میں تنقید، تعریض رڈّو گرفت اور تعاقب کے فرائض انجام دیئے ہیں، لہٰذا ان کی تحریروں میں بیان کا زور اور جوش بہت نمایاں ہے۔ ان کے یہاں مناظرانہ اور خطیبانہ انداز بھی ہے اور طنز و نشتریت بھی، تیز ابی اظہار بھی ہے اور نمک پاشی بھی، البتہ مزاح و ظرافت بہت ہی کم ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کہیں کہیں چٹکی یا کاٹ اور نشریت کے مضامین میں گدگدی سی ضرور محسوس ہوتی ہے اور تبسم کی کوئی ہلکی سی کرن ہونٹوں پر مچل جاتی ہے۔

مختلف رنگوں کے نمونے ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ ''خدارا انصاف! وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جہنم کے کودن، کہ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں ایک خدا کے تین مانیں، پھر ان تین کو ایک ہی جانیں۔ بے مثل بے کفو کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں۔ اس کی پاک بندی، ستھری، کنواری پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں، پھر خاوند کی حیات، خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہوا سے دوسرے کا گائیں۔ خدا اور خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے، بوٹیوں کے بھوکے، روٹی کو اس کا گوشت بنا کر دَر دَر چبائیں۔ شراب ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں، دنیا یوں گذری۔ ادھر موت کے بعد کفّارے کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بھجوائیں، لعنتی کہیں، ملعون بنائیں۔ اے سبحٰن اللہ! اچھا خدا جسے سولی دی جائے، عجب خدا جسے دوزخ جلائے، طرفہ خدا جس پر لعنت آئے، جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے۔ اے سبحان اللہ! باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی، باپ خدا، بیٹا کس کھیت کی مولی؟ باپ کی جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ، سرکشوں کو چھٹی بے گناہ پر آگ، امتی ناجی، رسول ملعون، معبود پر لعنت بندے مامون، تف تف! وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں، اسی کے گوشت پر دانت رکھیں۔ اُف اُف! وہ گندے جو انبیاء ورُسُل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں، سخت فحش بے ہودہ کلام گڑھیں اور کلامِ الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں، زِہ زِہ بندگی! خَہ خَہ تعظیم! پَہ پَہ تہذیب! قَہ قَہ تعلیم'' ۱۲۹؎

۲۔ ''اللہ اللہ یہ قوم! یہ قوم یہ سراسر لوم، یہ لوگ! جنھیں عقل سے لاگ، جنھیں جنون کا روگ، یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں'' ۱۳۰؎

مندرجہ بالا دونوں عبارتیں ایک ہی کتاب کی ہیں ان میں تثلیث پرستوں یعنی نصاریٰ کا کھلا رد ہے امام موصوف نے اپنی بات کے لئے استدلال کا انداز بھی اختیار کیا ہے اور انداز میں موازنہ نگاری بھی ہے، جیسے "خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہوا سے دوسرے کا گائیں، خدا اور خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، اے سبحان اللہ! باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی، باپ کے جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ، سرکشوں کی چھٹی بے گناہوں پر آگ ....امتی ناجی، رسول ملعون.................."

بیان کا جوش وزور، روانی، خطابت، طنز کا تیزابی اظہار، نشتریت سبھی کچھ موجود ہے۔

نمبر ا۔ میں، ہم قوافی الفاظ کی بھرمار جیسے، دشمن، رہزن، کودن، بتائیں، ٹھہرائیں، گائیں، چبائیں، چڑھائیں بجھوائیں بنائیں، دی جائے، جلائے، سولی، مولی، لاگ، آگ، چکھیں، رکھیں، پڑھیں وغیرہ نے نفسِ مطلب کی وضاحت کے ساتھ ساتھ بلند آہنگی بھی بھری ہے پھر زِہ زِہ، خَہ خَہ، پَہ پَہ، قَہ قَہ (پشتو اور فارسی الفاظ کے استعمال) نے اس آہنگ کو مزید باوقار و پر جلال بنایا ہے۔

"کس کھیت کی مولی"، ضرب المثل کا بھی برمحل استعمال ہے۔

نمبر ۲ میں قوم، لوم، لاگ، روگ، کریں، دھریں وغیرہ نے بھی صوتی حسن برپا کیا ہے۔

امام احمد رضا خان کی اکثر تصانیف میں ان کے کچھ تکیہ ہائے کلام بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جیسے "اللہ اللہ' سبحان اللہ، خدارا، مسلمانو! حاشا للہ" وغیرہ۔ ان سے اسلوب بیان میں صباحت اور ملاحت کا امتزاج عجب حسن برپا کرتا ہے، تو دوسرے ان کے ذریعہ امام موصوف اپنے بیان میں زور پیدا کر کے قاری کو قائل کرتے ہیں اور وہ ان کے اس انداز بیان کی سچائی کو تسلیم کر لیتا ہے۔

نمبر ا میں لفظوں کی تکرار اور تضاد وعکس نے بھی اسلوب کو ندرت بخشی ہے۔

۳۔ جناب ابوالکلام آزاد نے اسلامی خلافت کے لئے قرشیت کو تسلیم نہیں کیا ہے اور احادیث نیز تواریخ کو غلط رنگ دے کر محض انشاء پردازی کے زور پر اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

امام احمد رضا خان نے ان کی گرفت کی ہے رڈ اور تعاقب فرمایا ہے اور اس طرح طنز کی ملاحت اور نشتریت کے جلوے دکھائے ہیں ملاحظہ ہو:

"کسی پرچہ کے اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث وفقہ کا سمجھنا اور وہ "مِن" کا ترجمہ سے "اِلیٰ" کا ترجمہ "تک" کر لینے سے نہیں آتا اگر ضمیر قریش کی طرف ہوتی تو "اثنان" کی جگہ "احد" فرمایا جاتا یعنی جب تک ایک قریشی بھی ہے"[۱۳۱]

''مسٹر نے یوں ہی دوسری حدیث ''الائمۃ من قریش'' سے تشریع اڑانے اور نری خبر بنانے کے لئے کیا کیا ڈوبتے سوار پکڑے ہیں۔''۱۳۲؎

''سبحٰن اللہ! زہے مسٹری ولیڈری واپڈیٹری''۱۳۳؎

طنز کی کاٹ اور ابوالکلام پر چوٹ واضح ہے، لیکن ابتذال سے مبرا ہے اس لئے کہ دعویٰ دلیل کے ساتھ کیا گیا۔تشریع اڑانے، خبر بنانے، ڈوبتے سوار، لفظوں کی معنویت اور بلاغت بھی لائق دید ہے۔

۴۔آئزک نیوٹن، سائنس داں کے نظریہ جذب وکشش کا رد اور نیوٹن کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

''سیب کے گرنے اور جاذبیت کا آسیب جاگنے میں علاقہ بھی ایسا ہی لزوم کا تھا کہ وہ گرا اور یہ اچھلا، کیونکہ اس کے سوا اس کا کوئی سبب ہوسکتا ہی نہ تھا۔اس کی پوری بحث تو فصل دوم میں آتی ہے، ۱۶۶۵ء تک ہزاروں برس کے عقلا سب اس فہم سے محروم گئے تو گئے تعجب یہ کہ اس سیب سے پہلے نیوٹن نے بھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہ دیکھی یا جب تک اسکا کوئی اور سبب خیال میں تھا جسے اس نے گر کر توڑ دیا۔''۱۳۴؎

سیب اور آسیب کا جوڑ دیکھئے: آسیب جاگنا محاورہ ہے گرا اور اچھلا عکس وتضاد ان سب نے بیان میں زور بھر دیا ہے انداز تلمیحی ہے۔

۵۔فلسفہ قدیمہ میں افلاک کی بحث میں ملا جونپوری نے طوسی کا رد کیا لیکن خود بھی طوسی کے اعتراضات کو صحیح طور سے دفع نہ کر کے بات مبہم چھوڑ دی۔

امام احمد رضا خان ان دونوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''طوسی نے سارے فلسفہ کا شہر ڈھا دیا، تم نے کون سی اینٹ سلامت رکھی۔بات وہی ہوئی کہ یہ تخصیص فاعل کی طرف سے ہیں، تین بیسی اور ساٹھ ناک کہاں کہ یوں ہائے مجبوری وائے مجبوری، اللہ اللہ! اللہ عزوجل کو فاعل مختار ماننا وہ سخت ناگوار ہے کہ ہچکیاں لو دم توڑو، اَن گہیاں بولو، مگر اس پر ایمان محال، دل سے مان بھی چکے زباں چبا چبا کر کہہ بھی چکے مگر اقرار ناممکن کہ فلسفہ کا سارا شہر جوڑا جائے گا۔**حجدوبھا واستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا**''۱۳۵؎

''تین بیسی اور ساٹھ ناک'' کہاوت۔

''ہائے مجبوری، وائے مجبوری'' میں لفظ مجبوری کی تکرار اور انداز بیان کی طرحداری، ''اللہ اللہ'' تکیۂ کلام جو امام احمد رضا خان کا اپنا انداز ہے۔

''ہچکیاں لو، دم توڑو، اَن گہیاں بولو'' صوتی آہنگ۔

پھر عربی فقرے کی شمولیت طنز اور چوٹ میں بھی ملاحت ہے۔

ان فقروں اور کلمات سے سائنس اور فلسفہ جیسے خشک مضامین یا علوم میں بھی امام احمد رضا خان نے رنگ بھر دیا ہے جب وہ ان کے نظریات بیان کرنے یا سائنسی بحث کرنے کے بعد ان کی تردید و گرفت فرماتے ہیں تو طنز و تعریض لکھتے چلے جاتے ہیں اور یہ انداز بمشکل اردو میں کسی اور نثار یا انشاء پرداز کے یہاں دیکھنے کو ملے گا۔

۶۔ تعزیہ داری کی تردید میں کس قدر ملیح و صبیح اور رواں دواں عبارت تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

''اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے بجتے چلے، طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشنِ فاسقانہ یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ، گویا ساختہ ڈھانچہ بعینہا حضراتِ شہداءِ کرام علیہم الرضوان کے پاک جنازے ہیں ؂

''اے مومنو! اٹھاؤ جنازہ حسین کا''

پڑھتے ہوئے مصنوعی کربلا پہنچے۔ وہاں نوچ اتار، باقی توڑ تاڑ دفن کر دیئے، یہ ہر سال اضاعتِ مال کے جرم وبال جداگانہ ہے''۔ ۱۳۶

۷۔ اسی تعلق سے اور عورتوں کی بے پردگی پر طنز کی عبارت بھی لائق دید ہے ملاحظہ ہو:

''نوچندی کی بلائیں، مصنوعی کربلائیں، علم تعزیوں نے کاوے، تخت جریدوں کے دھاوے، حسین آباد کے جلوے، عباسی درگاہ کے بلوئے، ایسے مواقع مردوں کے جانے کے بھی نہیں نہ یہ کہ نازک شیشیاں''۔ ۱۳۷

عورتوں کے لئے''نازک شیشیاں'' (استعارہ) کہنے میں کیسی ندرت اور بلاغت ہے۔

نثر میں شعریت

امام احمد رضا خان نے موضوع ہی کو اصل و اساس اور سعی تحریر سمجھا، لہٰذا ان کا سارا زور بیان اپنے افکار و خیالات کے مؤثر ابلاغ کے لئے وقف ہے۔ انہوں نے دیگر صاحبانِ قلم کی طرح اپنی طرزِ نگارش کو مزین کرنے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کی ہے لیکن اس کے باوجود آہنگ و رس موجود ہے۔

یہ اقتباس دیکھئے:

ا۔''زیر نظر مسئلہ کے متعلق سرائے سخن کے کناروں سے دو چمکتے ہوئے ستارے لائے ہیں، ایک کالشمس وضحٰھا اور دوسرا کالقمر اذا تلٰھا۔ جو شخص صحتمند آنکھ اور قابل نورِ علم رکھتا ہے اس کی بصارت و بصیرت کو ان ستاروں کی کاشفِ ظلمات تجلیات سے اچھی طرح کامیابیاں مہیا و مبارک ہوں۔'' ۱۳۸

امام موصوف نے کبھی پر تصنع عبارت آرائی کی کوشش نہیں کی بلکہ ہر جگہ فطری اندازِ بیان اختیار کیا ہے اور اس طرح ان کی زبان میں، ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی شان برقرار ہے۔ البتہ کبھی کبھی ان کا اشہبِ قلم مستی و روانی میں ادب و لطافت کی

گل پاشی کرتا ہوا گذر گیا اور بے ساختہ مقفٰی جملے ان کے قلم سے ٹپک پڑے ہیں۔

مثال دیکھئے:

۲۔ ''نصوص کے دریا ہیں چھلکتے اور حبِّ مصطفٰی (ﷺ) کے چاند چمکتے اور تعظیم حضور (ﷺ) کے سورج دمکتے اور نورِ ایمان کے تارے جھلکتے اور حق کے باغ لہکتے اور تحقیق کے باغ مہکتے اور ہدایت کے بلبل چہکتے اور نجدیت کے کوّے سسکتے اور وہابیت کے بوم بلکتے اور مذبوح گستاخ پھڑکتے۔'' ۱۳۹

۳۔ ایک مثال اور دیکھئے:

''انہیں میں حضرت بتول جگر پارۂ رسول (ﷺ) خاتون جہاں، جناب سیدۃ النساء، فاطمہ زہرہ (رضی اللہ تعالٰی عنہا) اور اس دو جہاں کی آقا زادی کے شہزادے، عرش کی آنکھ کے تارے، چرخ سیادت کے مہ پارے، تطہیر کے پیارے پھول، دونوں قرۃ العین رسول (ﷺ)، امامینِ کریمین، سعیدین، شہیدین، طاہرین، ابو محمد حسن وابو عبد اللہ حسین'' ۱۴۰

امام موصوف موضوع کے اعتبار سے جمالی کیفیت، روانی، شگفتگی اور برجستگی کا التزام بڑی کامیابی سے کرتے ہیں۔

مثال دیکھئے:

۴۔ ''تجلّی جمال کے آثار سے لطف ونرمی وراحت وسکون ونشاط وانبساط ہے۔ جب یہ قلبِ عارف پر واقع ہوتی ہے دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازہ کلیاں یا بہار کے مہینہ سے درختوں کی کنچھیاں''۔ ۱۴۱

۵۔ ''وہی آنِ نور ہے کہ جب قریبِ افق جانبِ مشرق سے طولانی شکل پر چمکتا ہے اس کا صبحِ اوّل نام رکھتے ہیں، پھر جب پھیلتا ہے وہی صبحِ صادق ہوتی، پھر جب سرخی لاتا ہے وہی شفق ہے، جب دن نکلتا ہے وہی دھوپ ہے۔'' ۱۴۲

امام احمد رضا خان کی نثر، سادگی زبان، فطری اندازِ بیان سے پُر اور سپاٹ پن سے دور خاص دل کشی ولطف لئے ہوئے ہوتی ہے۔ دلائل کی بھر مار کے باوجود بھی وہ شگفتگی اسلوب کو مجروح نہیں ہونے دیتے۔ حضور (ﷺ) کے سایہ کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۶۔ ''کیوں تسلیم کا مقام خالی دیکھتا ہوں، خلاف کا چہرہ خوش، انصاف کا چہرہ شرم وحیا سے زرد اور کاغذ کی پیشانی شرمناک باتوں سے سیاہ۔ خدا کی پناہ! لیکن قادرِ مطلق جلّ وعلا جس نے مصطفٰی (ﷺ) کو اپنے نورِ خاص سے پیدا فرمایا اور خورشید درخشا ندہ وبدرِ درخشندہ کو ان کی سرکار کا ادنٰی گداگر بنایا، کیا وہ یہ نہیں کرسکتا کہ ہمارے سرِ وجانفزا کو بغیر سایہ کے پرورش فرمائے اور وہ شاخِ گل جس کے ہر رگ وبرگ پر ہزاروں چمنستان قربان ہوں، یہ پاکیزگی کی نہر پر گل زمین لطافت سے، ہر قسم کی کثافت سے پاک پیدا ہو۔'' ۱۴۳

زورِ بیان نے عبارت کا وزن ووقار بڑھادیا ہے اور قوتِ استدلال نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

شعری فضا کا اہتمام

جس طرح امام احمد رضا خان آیات یا عربی کے فقرے وغیرہ اپنی تحریروں میں ضم کرتے ہیں تو ان کی نگارش کی برجستگی، دلکشی اور شگفتگی مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب وہ برمحل مصرع یا شعر وغیرہ لاتے ہیں تو بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ امام احمد رضا خان شعری فضا کا بہت حسین اہتمام فرماتے ہیں تحریر کے شروع میں یا بیچ میں یا آخر میں مصرع یا شعر لا کر نثر کی چاشنی اور کیف اور حسن وخوبصورتی دوبالا کر دیتے ہیں۔

چند اقتباسات ملاحظہ کریں:

ا۔ اللہ اللہ! ایک وہ دن تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور پر نور (ﷺ) کی دھوم ہے۔ زمین وآسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ خوشی وشادمانی ہے کہ درودیوار سے ٹپکی پڑتی ہے۔ مدینے کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہو رہا ہے، باچھیں کھلی جاتی ہیں، دل ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے، سینوں پر جامے تنگ، جاموں میں قبائے گل کا رنگ، نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے، فرش سے عرش تک نور کا بقعہ بنا ہے، پردہ نشین کواریاں شوق دیدار محبوب کردگار میں گاتی ہوئی باہر آتی ہیں کہ ؎

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع ۱۴۴

۲۔ ''سرکار نازک مزاجی سے اجازت ملے تو بطریق نمونہ اس خروار سے چند مشت پیش کرے ؎

کون کرتا ہے گلہ تم سے مکر جانے کا
چھیڑ کر لطف اٹھا لیتے ہیں جھنجھلانے کا'' ۱۴۵

امام احمد رضا خان نے کبھی کوئی خیالی مضمون نہیں لکھا۔ دینیات اور اسلامیات کو اپنا موضوع بنایا اور دینی علوم ہی کے حوالے سے عقلی علوم کو برتا اور کتب ورسائل تصنیف فرمائے۔ لیکن مضمون جیسا ہوتا ہے اسی اعتبار سے انداز اختیار کرتے ہیں اور خشک مضامین میں بھی نزاکتِ خیال اور جمالیاتی اظہار کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ تشبیہات اور استعارات وکنائے وغیرہ کو بھی اس طرح برتتے ہیں کہ صداقت واصلیت سے ان کا جدا کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

اقتباس نمبر ا میں دیکھئے:

''زمین وآسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ خوشی وشادمانی ہے کہ............ سینوں پر جامہ تنگ، جاموں میں قبائے گل کا رنگ'' وغیرہ میں بظاہر مبالغہ ہے لیکن جس نبی ذی شان (ﷺ) کی مدینہ منورہ میں آمد کا بیان ہے اس کی عظمت ونورانیت وتقدس کو دیکھتے ہوئے یہ مبالغہ ہیچ اور روا ہے۔ آخر میں وہی شعر لائے ہیں جسے مدینہ منورہ کی بچیوں نے

سرکار دو جہاں (ﷺ) کی آمد پر پڑھا تھا۔

اقتباس نمبر۲ میں:

کس قدر برجستگی اور شعریت ہے اور موقع کی مناسبت سے حسین شعر کا التزام فرمایا ہے۔

نمبر۳۔ ایک صاحب کو اردو میں فقہ کی کتابیں دیکھ کر شد بد ہوگئی اور انگریزوں کی شہ پر اجتہاد کا شوق چرایا تو اُلّو کا گوشت بھی حلال کر دیا اور بھتیجی اور پھوپھی کو فہرست حرمت سے نکال کر حلّت کے دائرے میں لا بٹھائے۔ اب ذرا بھتیجی سے شادی رچانے پر ردّ و طنز کے ساتھ شعریت اور شعری فضا کا اہتمام بھی ملاحظہ کیجئے:

''خدا کی شانِ قہاری تو دیکھو پرانوں کی حیاداری تو دیکھو، مسلمانو! آنا، سننے کا ماجرا ہے۔ مشتاقو! دوڑنا، مزے کا تماشہ ہے، پرانے پرانے الٹے منہ دودھ ڈالتے ہیں۔ سیانے سیانے بھولی ادائیں نکالتے ہیں۔ اجتہاد کے دور میں سہا لگ آیا۔ چچا بھتیجی کا جوڑ لایا، شبھ گھڑی ہے شادی رچی ہے، مبارک سلامت کی دھوم مچی ہے بھتیجی الگ سمٹی بیٹھی ہے، چچا جدا شرم کی گٹھری ہے، اجتہاد والے دل بڑھانے پر تیار ہیں کہ ہاں بسم اللہ ہم ذمہ دار ہیں۔ آہ! وہ فتویٰ جس نے قیامت توڑی، آہ! وہ مفتی جس نے یوں دیانت چھوڑی۔ ہائے! وہ اجتہاد جس نے دین تک ڈبویا، ہائے! وہ مجتہد جس نے یہ ڈس بویا۔''[۱۴۶]

نمبر۴۔ فرضی کربلاؤں اور علم تعزیوں والے پیروں اور نام نہاد صوفیوں پر زدیدی انداز کے ساتھ ساتھ شعریت اور شعری فضا کا اہتمام ملاحظہ فرمایئے:

''ہر علم کو سلام، ہر تعزیہ پر فاتحہ خوانی، کربلا فرضی میں نشانوں کا طواف، ان کے رافضی ہونے کی نشانی! نہایت غصہ فرمایا، بات واقعی تھی، جواب بن نہ آیا۔ جھنجھلاہٹ کی شدت بلاہٹ کی آفت، اس وقت کی ادا مشتاقوں سے پوچھئے، چنوں کو مزا خوش مزاقوں سے پوچھئے۔ گال تمتمائے ہوئے، آنسو ڈبڈبائے ہوئے، بھوؤں میں بل، ماتھے پر شکن، زیرِ لب کچھ محبوبانہ سخن، پلکوں کا جھپکنا، نتھنوں کا پھڑکنا، بل کھائی زلفوں میں ناگن کی لہر، ترچھی نگاہوں میں ستم کا زہر، وہ پری زاد منانے سے خفا ہوتا ہے، جن چڑھا ہے اسے اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ مگر خدا نے خیر کرلی انجانی انکھڑیوں کی قدیمی سہیلیاں، حیا و دیانت، خبر پا کر بے تابانہ دوڑی آئیں، قدموں پر گر کر عرض کی حضور اتنا غصہ نہ فرمائیں بدلہ لینا ہمارا ذمہ، حضور کے ایک ایک خصم کو مزا چکھا دیں تو ہی...... آخر حیا نے ساقِ نازنین پر آستین چڑھائیں، دیانت نے کمرِ نازک پر دامن باندھا، ہوسِ انتقام میں ان افعالِ بد مزاق کا بعض اکابر علماء و اکابر کملاء پر افتراء کر دیا، اب کیا تھا سرائے دولت میں غل پڑ گیا محل کے سوتے سب جاگ اٹھے چاروں طرف سے صدائے تحسین ہے کہ دوپٹہ والیو شاباش! آفریں ہے۔

جان بر دید و کارِ مردہ کردید''[۱۴۷]

امام احمد رضا خان نے توضیحی و تخلیقی۔ ہر قسم کی نثر لکھی ہے ان کی توضیحی نثر میں۔ وضاحت، استدلال، قطعیت، ایجاز

واختصار وغیرہ بدرجۂ اتم موجود ہیں۔توضیحی واستدلالی نثر وہ بھی فقہ وفتوئی کے حوالے سے تحریر کرنے میں عربی وفارسی الفاظ وتراکیب ومصطلحات اور ضرورت کے تحت قرآن وحدیث کے آیات، جملوں یا فقروں کا آنا ناگزیر ہے، لیکن ایسی تحریروں میں امام احمد رضا خان کے یہاں کوئی ابہام واشکال، کوئی ثقالت یا زبان وبیان کی ناشگفتگی نہیں ہوتی۔اور ضرورت کے وقت اسی طرح کی نگارشات میں بحث وجائزہ کے وقت یا کسی مسئلہ میں ردّ وگرفت وتعاقب کے موقع پر، طنز ونشریت، کاٹ اور بیان کے جوش وزور کا باوقار اور خوبصورت اظہار فرماتے ہیں۔

ان کی حُسن کاری کے انداز میں، مبالغہ، جائزہ، تلمیحات، محاورات، تشبیہات واستعارات وکنایات اور خوبصورت تراکیب کے استعمال نثر کو انشاء کا کوحسن عطا کرتے ہیں۔

امام موصوف کے یہاں شعری فضا کا اہتمام بھی ہے اور نثر میں شعریت بھی۔منظر کشی، واقعہ نگاری، موازنہ وتمثیل سے وہ نثر کو حسن عطا کرتے ہیں۔مقفّیٰ ومسجّع نثر بھی انہوں نے لکھی ہے۔الفاظ کی تکرار، عکس وتضاد، ہم قوافی لفظوں سے صوتی آہنگ برپا کرنا بھی ان کی نثر کی خصوصیت ہے۔کہیں کہیں لفظوں کے جوڑوں اور صنعتِ اشتقاق سے بھی نثر کو جاندار بناتے ہیں۔

ان کے تکیہ ہائے کلام ۔سبحان اللہ، حاشاللہ، الحمدللہ، اللہ اللہ، خدارا انصاف! مسلمانو! دیکھنا! سننا! وغیرہ ان کی نگارشات کو مؤثر بناتے ہیں اور اس طرح وہ اپنی بات کو زوردار انداز میں مدلل فرما کر واضح کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

ان کے یہاں جمالیاتی اظہار بھی ہے، محاکات کے جلوے بھی ہیں۔

کہیں کہیں امام احمد رضا خان نے ٹھیٹھ اردو زبان کا ایسا باوقار وباجمال نمونہ پیش کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے اور ان کی انشاء پردازی کا ایک نیا رخ، نیا انداز سامنے آتا ہے۔

الغرض امام احمد رضا خان نے توضیحی وتخلیقی نثر۔ ہر ایک میں انشاء پردازی کا جلوہ دکھایا ہے۔

☆☆......☆☆......☆☆

اردو کے اہم اور نامور انشاء پردازوں میں

امام احمد رضا خاں کا مقام:

۱۸۵۷ء سے اب تک اردو نے کئی اہم اور نامور انشاء پرداز پیدا کئے لیکن ان صاحبان میں جو اہمیت اور مقام و مرتبہ سر سید احمد خان، مولانا الطاف حسین حالؔی، مولانا حسین آزاد، مولانا شبلی نعمانی، خواجہ حسن نظامی اور ابوالکلام آزاد کو حاصل ہے، وہ ان کے بعد والوں کو حاصل نہیں۔

سر سید کے رفقاء اور معاصرین مثلاً حالؔی، حسین، آزاد، شبلی اور بعد کے خواجہ حسن نظامی اور ابوالکلام آزاد وغیرہ سب کے سب اردو زبان وادب سے جڑے ہوئے تھے۔ سر سید صحافی، ادیب و مصنف تھے، حالؔی نقاد، مصنف اور ادیب و شاعر تھے، حسین آزاد شاعر، مؤرخ، ادیب، ناقد اور مصنف تھے، شبلی شاعر، نقاد، مصنف، ادیب اور تاریخ داں، مؤرخ فن وادب اور اسلامی مؤرخ تھے۔ خواجہ حسن نظامی مصنف، صحافی اور ادیب اور ابوالکلام آزاد صحافی اور ادیب تھے۔ ان میں علوم وفنون کی کثرت کے لحاظ سے شبلی سب سے آگے تھے لیکن مولوی، کلامی اور تاریخ داں ہوتے ہوئے بھی بہر حال بنیادی طور پر وہ اردو زبان وادب سے وابستہ تھے۔ لیکن امام احمد رضا خان بنیادی طور پر فقیہہ و مفتی اور محدث تھے اور شعر ونثر کی تاریخ میں نوع بہ نوع کے نقلی و عقلی علوم وفنون میں ان سے زیادہ تصانیف اور اسالیب کسی اور نے پیش نہیں کئے۔

امام احمد رضا خاں نے مذہبی و تقدیسی تصانیف کے حوالے سے اردو کو جس قدر محاورات، ضرب الامثال، فقہ و حدیث، علمِ کلام، فلسفہ و منطق نیز سائنسی اور ریاضیات علوم کے مصطلحات عطا کئے اس کی مثال دوسروں کے یہاں نہیں ملتی۔

خلاصۂ کلام:

اردو زبان وادب سے براہِ راست منسلک نہ ہونے کے باوجود امام احمد رضا خاں نے مذہبی تقدیسی ادب کے توسط سے انشاء پردازی کے جوہر دکھائے ہیں۔ ان پر ترجمۂ قرآن، فتاویٰ رضویہ، ملفوظات نیز فقہی، ریاضیاتی وسائنسی اسالیب کو برتنے اور ان سب میں ممتاز و منفرد حیثیت! لہٰذا اگر امام موصوف دیگر صاحبانِ قلم اور انشاء پردازان اردو کی طرح صرف انشاء پردازی اور زبان وادب کے میدان میں اترتے تو ایک عدیم المثال انشاء پرداز تسلیم کئے جاتے۔

علماء وفقہاء میں نہ تو صرف ان کے عہد بلکہ اردو زبان وادب کی تاریخ میں ان کے جیسا عالم وفقیہہ تو کوئی نظر نہیں آتا۔ علاوہ علماء وفقہاء کے انشاء پردازوں میں جو صفِ اول میں شمار ہوتے ہیں، ان سے بھی کسی طور ان کی تحریر کا حُسن اور جلال کم نہیں!

غرض یہ کہ امام احمد رضا خاں صاحب سر سید اور ان کے رفقاء شبلی، حالی، نذیر حسین، محمد حسین اور خواجہ حسن نظامی،

مولانا ابوالکلام کے دوش بدوش قد آوری کے ساتھ کھڑے ہیں۔

یہ اردو زبان وادب کی تاریخ کا زبردست المیہ اور مؤرخین زبان وادب کی تنگ نظری اور تعصب کہ جس نے زبان و بیان، اسالیب، فقہ و ترجمۂ قرآن، ملفوظات، مکتوبات اور مختلف نقلی و عقلی علوم وفنون میں تصنیف وتالیف کے حوالے سے اردو کو مالا مال کیا ہے، فروغ و وسعت بخشی ہے اسے یکسر نظر انداز کیا گیا لیکن تاریخ زبان وادب کے ماتھے سے تعصب اور عناد کا الزام مٹانے کے لئے لازمی ہے کہ امام احمد رضا خان صاحب کو تاریخ میں ان کا جائز مقام دیا جائے تاکہ سابقہ ظلم وزیادتی کی تلافی ہوسکے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ نکات الشعراء، طبع ثانی ص ۱۸۔

۲۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا، جلد ۲۱، ص ۴۸۰

۳۔ مضمون اسلوب کیا ہے؟'' مشمولہ اسالیب نثر پر ایک نظر، ص ۲۶، مرتبہ ضیاء الدین، مطبوعہ ادارہ فکر جدید، دہلی۔

۴۔ مقدمقالات، سلطان احمد، ص ۷، ۸۔

۵۔ ایضاً ص ۷، ۸۔

۶۔ اسالیب نثر۔ ایک جائزہ۔ مشمولہ اسالیب نثر پر ایک نظر۔ ص ۵۰، ۵۱۔

۷۔ اسلوب بیان، مشمولہ اسالیب نثر پر ایک نظر۔ ص ۶۱، مرتبہ ڈکٹر ضیاء الدین, مطبوعہ دہلی۔

۸۔ اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام، ص ۲۹، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، دہلی۔

۹۔ ابوالکلام آزاد کا اسلوب نگارش، ص ۲۴، مطبوعہ علی گڑھ۔

۱۰۔ ہمارے نثر نگار، ص ۲۸، مطبوعہ لکھنؤ۔

۱۱۔ چند اہم نثر نگار ص ۶۶، مطبوعہ اعظم گڑھ۔

۱۲۔ ابوالکلام آزاد کا اسلوب نگارش، ص ۴۸، ۴۹، مطبوع علی گڑھ۔

۱۳۔ ایضاً۔ ص ۲۵۔

۱۴۔ حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ ص ۱۵۵، مطبوعہ کراچی۔

۱۵۔ امام احمد رضا اور اردو ادب مشمولہ سہ ماہی افکار رضا، بمبئی، شمارہ دسمبر ۱۹۹۵ء۔

۱۶۔ اردو نثر نگاری اور امام احمد رضا۔۔۔۔۔۔ستمبر ۱۹۹۹ء

۱۷۔ افتتاحیہ، مشمولہ سہ ماہی فکر رضا۔۔۔۔۔۔ستمبر ۱۹۹۹ء

۱۸۔ اردو میں مذہبی ادب کا جائزہ، مشمولہ پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر شمارہ ۱۹۹۶ء

۱۹۔ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری، مشمولہ سہ ماہی افکار رضا، بمبئی، شمارہ جنوری تا مارچ۔ ۲۰۰۰ء۔ ص۔ ۱۹۔

۲۰۔ کنزالایمان، ص ۵۲۰، سورۃ الفرقان، مطبوعہ ورلڈ اسلامک پبلی کیشنز، دہلی، حوالہ نمبر ۲۲۔

۲۱۔ سورۃ یونس: ۳۷، کنزالایمان ص ۳۰۸۔ مطبوعہ ایضاً۔

۲۲ ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ، مطبوعہ فینس بک، لاہور۔
۲۳ سورۃ بقرہ: ۲۴، کنزالایمان ص ۷، ایضاً۔
۲۴ سورہ بقرہ: ۲، کنزالایمان، ص ۳، مطبوعہ ورلڈ اسلامک پبلی کیشنز دہلی، حوالہ نمبر ۲۲
۲۵ آخری پیغام، ص ۱۹۰، مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ، دیپا سرائے، سنبھل مراد آباد۔
۲۶ ایضاً۔
۲۷ تذکرہ علمائے ہند، (ترجمہ ایوب قادری) ص ۵۴۲، مطبوعہ کراچی، حوالہ کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن ص ۷۰، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، مطبوعہ کراچی۔
۲۸ اردو کا سہ ماہی رسالہ، جنوری ۱۹۳۷ء، اورنگ آباد، دکن ص ۱۸۔
۲۹ کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، ص ۸۴، مطبوعہ کراچی۔
۳۰ تفسیر موضح القرآن ۱۲۳۳ھ، مطبع قیومی کانپور۔
۳۱ کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، ص ۸۵، مطبوعہ کراچی۔
۳۲ ڈاکٹر مجید اللہ قادری، کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، مطبوعہ کراچی۔
۳۳ علامہ بدالدین احمد قادری، سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۶۶، مطبوعہ قادری مشن، بریلی
۳۴ ایضاً۔
۳۵ قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص ۳۲۴، ۳۲۳۔ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی۔
۳۶ امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت ص ۲۱، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی۔
۳۷ "عظمت کنزالایمان" ص ۷، ص ۱۳، مطبوعہ رضوی کتاب گھر، بھیونڈی تھانہ، مہاراشٹر یہ۔
۳۸ کنزالایمان اور اس کی فنی حیثیت، ص ۳۲، ص ۳۳، بحوالہ کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، ص ۳۳۹، مطبوعہ کراچی۔
۳۹ امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن کنزالایمان، مشمولہ معارف رضا کراچی۔
۴۰ "محاسن کنزالایمان"، مشمولہ المیزان کا امام احمد رضا نمبر ص ۱۱۷، ۱۲۲۔
۴۱ آئینہ رضویات، حصہ دوم، مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، ص ۱۶۹، مطبوعہ، کراچی۔

۴۲ سورہ یوسف، پ۱۲، آیت نمبر۲۔

۴۳ ابوالفضل مولانا الحفیظ بلیاوی، مصباح اللغات، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۴۵۔

۴۴ سورۂ لقمان، پ۲۱، آیت ۱۷، ۱۸۔

۴۵ سورۂ طارق پ۳۰، آیت ۱۶۔

۴۵(ب) [نوٹ: کراچی، پاکستان کے ایک محقق عالم جلیل حضرت علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی مدظلہ العالی نے سورۂ فتح کی اس آیت (نمبر۲) کی تفسیر میں ''الذنب فی القرآن'' کے نام سے ۸۰ ۷صفحات پر مشتمل ایک ضخیم مقالہ لکھا ہے جو حال ہی میں کراچی سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حضرت علامہ گردیزی دامت برکاتہم العالیہ نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ سورۂ فتح کی آیاتِ کریمہ کی شانِ نزول، اس کے سیاق وسباق، اس کے لغوی معنی ومفہوم، تفاسیر واحادیث کی روشنی میں اس کے ادبی و لسانی پہلوؤں پر تفصیلی اور نتیجہ خیز بحث کی ہے۔ انہوں نے یہ وقیع مقالہ کراچی کے ایک محقق علامہ غلام رسول سعیدی صاحب اور حیدرآباد سندھ کے ایک عالم علامہ ڈاکٹر محمد زبیر نقشبندی صاحب کے اعلیٰ حضرت کے محولہ ترجمہ پر اعتراضات کے ردّ میں لکھا ہے اور سچ یہ ہے کہ حقِ تحقیق ادا کیا ہے۔ انہوں نے قوی تر دلائل کے ساتھ نہ صرف یہ کہ علامہ سعیدی کے دلائل کو توڑا ہے بلکہ موصوف کے موقف میں تضادات، حوالہ شدہ عبارات میں تحریفات اور مصنف کی اپنی عبارات میں سرقہ جات کے ناقابلِ تردید کھلے ثبوت پیش کیے ہیں جس سے مصنف کی پوری تصنیف ساقط الاعتبار پاتی ہے۔ ادارہ]

۴۶ سورہ بقرہ، پ۳، آیت ۲۷۴۔

۴۷ سورہ فاتحہ، پ۱، آیت ۶۔

۴۸ سورہ ال عمران، پ۴، آیت ۱۰۵۔

۴۹ سورہ بقرہ، پ۱، آیت ۸۵۔

۵۰ سورہ ال عمران، پ۴، آیت ۱۰۔

۵۱ سورہ التکویر، پ۳۰، آیت ۱ تا ۱۴۔

۵۲ سورۃ النزعت، پ۳۰، آیت ۱ تا ۳۰۔

۵۳ سورۃ الصّٰفّٰت، پ۲۳، آیت ۱ تا ۸۔

۵۴ سورۃ الرحمٰن، پ۲۷، آیت ۴۶ تا آخر۔

۵۵ سورۃ القارعۃ، پ۳۰، آیت ۱ تا آخر۔

٥٦۔ سورۃ والضحٰی، پ۳۰، آیت ۱تا آخر۔

٥٧۔ سورہ الشمس، پ۳۰، آیت ۱تا۷۔

٥٨۔ سورہ فاتحہ پ۱، آیت ۱تا۳۔

٥٩۔ سورہ فاتحہ، پ۱، آیت ۶۔

٦٠۔ سورۃ المزمل، پ۲۹، آیت ۱۔

٦١۔ فتاویٰ رضویہ جلد اول، مقدم (خطبہ) ص۴، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

٦٢۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص۹۴، ۹۵۔

٦٣۔ فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص۲۱۶۔

٦٤۔ فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، ص۱۷۸، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

٦٥۔ فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص۱۶۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

٦٦۔ فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص۸۔

٦٧۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص۴۶۱۔

٦٨۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص۳۴۷۔

٦٩۔ فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، ص۲۷۔

٧٠۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص۵۴۹۔

٧١۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص۳۳۷۔

٧٢۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص۳۳۷۔

٧٣۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول ص۳۳۷۔

٧٤۔ فتاویٰ رضویہ، جلد ہفتم، ص۶۹۹۔

٧٥۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص۳۹۷، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

٧٦۔ فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص۴۲۲۔

٧٧۔ فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص۲۴۷۔

٧٨۔ فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص۲۰۷۔

٧٩۔ مکتوباتِ نیاز پر اظہار خیال، مشمولہ رسالہ، نگار لکھنؤ، جولائی، ۱۹۴۰ء۔

۸۰؎ تنقیدیں۔ص ۸۔

۸۱؎ ادبی تبصرے۔ص ۷۶۔

۸۲؎ آخری پیغام،ص ۸۶،۱۲۱،مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ،مرادآباد(سنبھل یوپی)۔

۸۳؎ ملخصاً خلیق انجم۔غالبؔ خطوط،ص ۱۳۵،۱۳۶،مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی۔

۸۴؎ خلیق انجم،غالب کے خطوط،ص ۱۵۷،مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی۔

۸۵؎ مہدی بیگم،مکاتیب مہدی،مقدمہ از سلیمان ندوی،مطبوعہ گورکھپور،ص:۱۵۸

۸۶؎ مولانا ظفرالدین بہاری،حیاتِ اعلیٰ حضرت،صفحہ مختلف
مکتوباتِ امام احمد رضا خاں بریلوی،صفحہ مختلف

۸۷؎ حیاتِ اعلیٰ حضرت ومکتوباتِ احمد رضا بریلوی،صفحہ مختلف

۸۸؎ آر۔ڈبلیو۔ریمزے،سم انگلش لیٹر رائٹرز،ص:۸
(R.W.Ramsey, Some English Letter Writers)

۸۹؎ حاصل شدہ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی،بریلی،خط بنام شیخ عظمت علی پیلیبھوری،قلمی خط کی نقل

۹۰؎ مولانا ظفرالدین،حیاتِ اعلیٰ حضرت،حصہ اول،ص:۲۸۳،مطبوعہ بریلی

۹۱؎ ایضاً

۹۲؎ مولانا محمود احمد قادری،مکتوباتِ امام احمد رضا بریلوی،ص:۲۵،مطبوعہ لاہوتی پرنٹ ایڈ،دہلی

۹۳؎ مولانا ظفرالدین بہاری،حیاتِ اعلیٰ حضرت،ص:۲۸۳،مطبوعہ بریلی

۹۴؎ مفتی برہان الحق جبلپوری،اکرامِ امام احمد رضا،ص:۸۳۸

۹۵؎ مولانا ظفرالدین،حیاتِ اعلیٰ حضرت،اول،ص:۲۶۷،مطبوعہ بریلی

۹۶؎ مولانا ظفرالدین،حیاتِ اعلیٰ حضرت،اول،ص:۳۱۲

۹۷؎ مفتی برہان الحق،اکرامِ امام احمد رضا،ص:۱۳۷

۹۸؎ مولانا ظفرالدین بہاری،حیاتِ اعلیٰ حضرت،اول،ص ۲۶۶

۹۹؎ مولانا ظفرالدین بہاری،حیاتِ اعلیٰ حضرت،ص:۲۴۴

۱۰۰؎ مولانا محمود میاں قادری،مکتوباتِ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی،ص:۸۸،۸۹،مطبوعہ بریلی

۱۰۱؎ مولانا ظفرالدین بہاری،حیاتِ اعلیٰ حضرت،اول،ص:۳۱۵،مطبوعہ بریلی

۱۰۲۔ مفتی برہان الحق، اکرامِ احمد رضا، ص:۹۹،۱۰۰

۱۰۳۔ مولانا ظفرالدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص:۲۷۷، مطبوعہ بریلی

۱۰۴۔ مولانا ظفرالدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، اول، ص:۲۸۰

۱۰۵۔ مولانا ظفرالدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص:۲۴۴

۱۰۶۔ مولانا ظفرالدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، اول، ص:۲۹۰، مطبوعہ بریلی

۱۰۷۔ ایضاً

۱۰۸۔ مولانا ظفرالدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، اول، ص:۳۱۶

۱۰۹۔ مولانا محمود احمد قادری، مکتوباتِ امام احمد رضا، ص:۷۸،۷۹، مطبوعہ لاہوتی پرنٹ ایڈ، دہلی

۱۱۰۔ مولانا ظفرالدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، اول، ص:۲۶۹،۲۷۰، مطبوعہ بریلی

۱۱۱۔ خلیق انجم، غالب کے خطوط ۱۷۴، مکتبہ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

۱۱۲۔ مولانا محمود قادری، مکتوباتِ امام احمد رضا بریلوی، ص:۴۷، مطبوعہ دہلی

۱۱۳۔ مولانا محمود احمد قادری، مکتوباتِ امام احمد رضا بریلوی، ص:۱۱۷، مطبوعہ دہلی

۱۱۴۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو، ملفوظاتِ فاضلِ بریلوی، مشمولہ فکر و نظر، ایم۔ یو۔ علیگڑھ، ص:۸۰۷

۱۱۵۔ الملفوظ، مرتب: مصطفیٰ رضا خاں، اول، ص:۳۳، مطبوعہ بریلی

۱۱۶۔ ایضاً ص:۶۱

۱۱۷۔ الملفوظ، مرتب: مولانا مصطفیٰ رضا خاں، چہارم، ص:۶۹، مطبوعہ بریلی

۱۱۸۔ الملفوظ، مرتب: مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری، چہارم، ص:۶۳

۱۱۹۔ ایضاً، ص:۵۵،۵۶

۱۲۰۔ ایضاً، حصہ دوم، ص:۷۳، مطبوعہ سمنانی کتب خانہ، میرٹھ

۱۲۱۔ ایضاً ص:۳۶، مطبوعہ بریلی

۱۲۲۔ ایضاً ص:۴۰، مطبوعہ بریلی

۱۲۳۔ ایضاً، ص:۴۱

۱۲۴۔ مقال العرفا باعزاز شرع و علماء، ص:۱، مطبوعہ کتب خانہ سمنانی، میرٹھ

۱۲۵۔ ایضاً ص:۳

۱۲۶ ایضاً، ص:۶

۱۲۷ المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ،ص:۶۶،مطبوعہ رضا اکیڈمی،ممبئی

۱۲۸ ایضاً،ص:۶۶،۶۷

۱۲۹ الصمصام،ص:۹۴،۹۵،مشمولہ امام احمد رضا خاں پنج رسائل کا مجموعہ،مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی

۱۳۰ ایضاً،ص:۹۹

۱۳۱ دوام العیش فی الائمۃ من قریش،ص:۱۰۱،مطبوعہ رضا اکیڈمی،ممبئی

۱۳۲ ایضاً،ص:۱۰۴

۱۳۳ ایضاً،ص:۱۰۴

۱۳۴ فوزِ مبین در ردِ حرکت زمین،ص:۳۱،مطبوعہ ممبئی

۱۳۵ الکلمۃ الملہمہ ،(ردِ فلسفۂ قدیمہ)،ص:۲۱،مطبوعہ ممبئی

۱۳۶ بدر الانوار فی آداب الاثار،ص:۲۶،مطبوعہ ممبئی

۱۳۷ احکامِ شریعت،ص:۷۷

۱۳۸ مجموعہ رسائل ردِ مرزائیت،ص:۱۲۹،مطبوعہ رضا اکیڈمی،ممبئی

۱۳۹ خالص الاعتقاد،ص:۴۷،مطبوعہ رضا اکیڈمی،ممبئی

۱۴۰ اعتقاد الاحباب،ص:۱۱،ادارۂ تصنیفات، بریلی

۱۴۱ کشف حقائق،اسرار دقائق،ص:۴،مطبوعہ رضا اکیڈمی

۱۴۲ ایضاً،ص:۵

۱۴۳ مجموعۂ رسائل مسئلہ نور سایہ،ص:۱۳۹،مطبوعہ رضا اکیڈمی،ممبئی

۱۴۴ ختم النبوۃ،ص:۷۰،مطبوعہ رضا اکیڈمی،ممبئی

۱۴۵ سیف مصطفیٰ،ص:۲۳،مرکزی مجلسِ رضا،لاہور

۱۴۶ سیف مصطفیٰ،ص:۲۳،مطبوعہ مرکز مجلسِ رضا،لاہور

۱۴۷ صمصام حیدری،ص:۲۱،مطبوعہ مرکزی مجلسِ رضا،لاہور